ونطهر العالم عن اقذار فتنها

قل جاء الحق — الحمد للہ کہ درین ایام میمنت انجام کتاب لاجواب — وزہق الباطل

قاطع عناق ملاحدہ مسمیٰ

۱۲۷۸

بالالہامات الصحیحہ

فی

اثبات حیوۃ المسیح

ان الباطل — آفتاب صداقت — کان زہوقا

مطبوعہ دکن [illegible]

اغلاط نامہ ترجمہ والتنویر والتقریظ وصیت

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۰۷	۹	سالطعم	ساطعۃ
۱۰۹	۱۶	تمام دنیا پر	لوگوں پر
〃	۲۰	حدیث	روایات
〃	۲۳	موجود ہی	وجود ہی
۱۱۱	۳	مسیح موعود کے	مسیح موعود ہونے کے
〃	۱۹	ولا پر یک الس	ولا پر المقتالین
۱۱۲	۳۰	مسیح	عیسے
〃	۱۶	متضمن تاریخ	-
۱۱۴	۱۳	تجم	نجم
〃	۶	تخنبۃ	تحیۃ
〃	۹	معلم	اسلم

تصحیح اغلاط نامہ الاستفتاء عربی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵	۱	لا میزون	لا یمیزون
۶	۱	عن	الی
۱۲	۶	احداهما	احدهما
۱۲	۹	ولم یجز	والا لم یجز
۱۳	۲	لما	لانه لما
۱۵	۴	الجزئبۃ	الجزئیۃ
۱۶	۵	واللحوق	والسحوق
۲۲	۷	ماعد	ماعدا
۲۵	〃	مطلقہ	مطلقۃ
۲۷	〃	ووالسلب	والسلب
۴۰	۸	مرق	فرق
۴۴	۴	حقیقا	حقیقیا
۵۴	۳	الحجلۃ	الجملۃ
۵۵	۹	فی	+
〃	۱۰	التشی	لشئی
۶۵	۱	قبل	قتل
۶۹	۱	ومن	من
۷۰	۵	لا ینافی	الذی لا ینافی
۷۱	۳	المتصفہ	المتصف
۷۴	۱	یتحرک	تحرک
۷۸	۷	تسلیم	تسلم
〃	۱۰	التباین	تباین
۸۰	۸	مرتبتہ	مرتبۃ
۸۳	۴	لمانکن	لما لم تکن
۸۹	۳	لیهذہ	بهذہ
۹۰	۱	الناقص	الناقض
۹۱	۷	الضال	القتال
〃	۹	التوافق	التوافق بالعربیۃ
۹۲	۷	لم تتعلم	لم یتعلم
۹۳	۴	تادیہ	تادیۃ
〃	۸	توجیبا	توجیہ
۹۴	۱	بمائلۃ	بمماثلۃ
〃	۲	لیشبہ	یشبہ
۹۷	۷	الحالی	الخالی
〃	۸	توجہ	من توجہ
۱۰۴	۳	فاخذو	فاخذوا

اغلاط نامہ ترجمہ مع حواشی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳	حاشیہ ۱	مخترب	مشرب
"	حاشیہ ۴	عفی عنہ	مدامہ ظلہم
۴	۵	انکا	انکے
"	۹	کرتے	+
۷	۱۱	متفرق	مستغرق
۸	۹	تجھے	+
۱۱	آخر حاشیہ	فقد	قد
۱۳	حاشیہ ۲	ومدہی	دہی
۱۵	حاشیہ ۱	قیضیہ	قضیہ
"	حاشیہ ۳	کو	پکہ
"	آخر حاشیہ	قضیہ	قضیہ
۱۶	۷	اسمیں منقدم سبتاتر کے ساتھ موصوف ہوتے تھے۔	اسمیں متقدم اور متاخر اکٹھے موصوف نہیں ہو سکتے
۲۶	حاشیہ ۳	عالم ہوتا	عالم نہ ہوتا
۲۷	۷	گویہ	گویا یہ
۳۰	۵	ہوسکین	ہوسکتیں
۳۲	۶	قاضی	ماضی
"	۷	وجود	موجود
۳۳	۲	ایسے نہیں	ایسے ہیں
"	۱۳	ثابت ہوئی	ثابت ہوا
۳۶	۸	چوبیہ	یکیہ
۳۷	"	مصر صحت	مصر کی صحت
۴۰	۱	علیین	علیین ہیں
۴۳	حاشیہ ۳	کی	کی طرف
۴۴	۶	کہ ماخذ	کہ جسکا ماخذ
۴۵	۱۰	تیرا	تجھے
"	"	لیجانیوالا ہوں	لیجانیوالا ہوں ارادہ کرتی ہو
۴۷	۱	ہوسکا	ہو
"	۷	اسی	اس سے
۴۸	۳	تمید	تمہید ہے
"	۷	سنئے ہی	سنتی ہی
۵۲	۵	تردد	تردید
۵۴	۱	نہیں	نہیں چاہتا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵۸	۱۴	معہ پہلی	پہلی
۵۹	۱	القتل	القتل کیطرف
۶۳	۲	لگاتا	لگاتا ہے
"	۸	ہمارا	ہمارا مدعا
۶۴	۱۱	ہوتا	+
۶۵	۷	مسیح علیہ السلام	مسیح علیہ السلام کے
۶۶	۴	اسی	اس سے
۶۷	۴	صفت محض	صفت
"	"	اوصاف	شرار اوصاف
۶۸	۳	موجود ہو سکے	موجود نہ ہو سکے
"	۴	ہو	ہوں
۷۳	"	الافلاک سے	الافلاک کے
"	۸	یہاں تک	یہاں تک کہ
۷۸	۱۳	تو ہمارا	تو تمہارا
۸۰	۶	خبر رسانی	خبر رساں
"	۹	دوم ہے	دوم یہ ہے
"	"	دوسروی	اگر دو سردی
"	"	ہو	ہے
"	۱۲	ہوتی	ہوئی
۸۴	۲	اپسمیں	اسمیں
۸۶	۱۲	اعتراض	اعتراض
۸۷	۱۱	ہی	ہی
"	۱۴	کرا ایسے جو	کہ جو
۸۸	۱	نہیں آتی	لازم نہیں آتی
"	۲	منزل	معزول
"	۹	کیحالت	کی حالت ہیں
"	۱۲	عالم برزخ	عالم برزخ ہیں
۹۴	۷	جمست	رحمت
۹۵	۵	زکوۃ اول	مال
"	حاشیہ ۲	یا خوراک	اور خوراک
۹۶	۵	مسیح کو	مسیح علیہ السلام
۹۷	۳	جیسا حسن	جیسا حسن
"	۱۳	کلف اعتراض	تکلف دار اعتراض
۹۸	۹	بعقل	بیعقل
۹۹	۱	ثابت ہو رہے	ثابت ہے

واذا العلماء على الناس فاتقوها

الحمد للہ کہ درین ایام میمنت انجام کتاب لاجواب قاطع اعناق ملاحدہ

قل جاء الحق — مسمّی — وزهق الباطل

بالالہام الصحیح فی اثبات حیوۃ المسیح

سنہ ۱۳۱۱ھ

ان الباطل — آفتاب صداقت — کان زھوقا

از مولوی ابو الحسن پیر غلام مصطفیٰ مصنف انوار محمدیہ

در مطبع عزیز باہتمام طبع گردید

قیمت ... فی جلد ... بار اول سنہ ۱۳

قصیدہ تہنیت مکملہ بعد طبع رسالہ نظیر بخشیہ و فوائد النجابیہ سوہ صاحب معلی القاب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی

اے مسلمانو کہو اسلام کو آیا ہے یہ
بیچ مہار اشتہر سا بیج چھا ہے بہر جانے لگا
عالم و فاضل ہے بہر کون اپنا کہہ تو دیں
ملا ابھی جب آنکھ میں ہر کو سماتے لگا
ہر فن سے اپنا نہ کیا یہ باطل و فات یوں
کادیانی پھر بھی اور دوسرا بہکانے لگا
استعاروں پر وہ سمجھا بیاں فرقان کو
پیر خسرواں ایسے دعوی میں کیا پانے لگا
شان حضرت بیچ زمین پیغمبر احمد نزول
دین حق کو کیوں بہلا یہ شیخ توڑنے لگا
درکہے اجماع کو اجماع کو روا نہ ہے یہ
اسلئے ناداں سمجھے سر آپ در کانے لگا
گردن گردن کشاں کی قطع کرنے کے لئے
نام سے جنکے مخالف خود بھی گھبرانے لگا
اچھی تصنیف میں ایسا ہوا ہے حق ادا
عرش اعظم سے صدائے مرحبا آنے لگا
یہ رسالہ جب سے چھپا ہے صحیح
غم سے اپنے قادیانی آپ مر جانے لگا
ہے حقائق اور دقائق عقلی و نقلی سے پر
کاشتہر اسلام اس سے تازگی پانے لگا
کیوں نہ ہو ایسا زکی ایسا فہیم ایسا عقیل
جب سے انوار محمد اسکو ملجانے لگا
آپکی بخشش سے مقصد کا سمجھنا سہل ہے
راہ گم کردوں کو یہ راہ دکھانے لگا

دیکھیو تم کس کس طرح شیطان پکانے لگا
فرق کچھ باقی نہ چھوڑی ہے حلت و حرمت میں آہ
جاہل ظالم جا بجا اپنا علم جتلانے لگا
نغمہ داودی سمجھے انکر الاصوات کو
مور سا عاجز سلیماں آج کہلانے لگا
کرکے دعوائے مسیحیت وہ مخبوط الحواس
اور حدیثوں سے وہ الٹے معنی بتلانے لگا
یہ نہ سمجھا میں کہاں اور حضرت عیسی کہاں
میری تفسیر ہے یہ ایسا اسکو سمجھانے لگا
حق کہو انعام میرے ہیں یہ تحریر اے مسیح
کسقدر یہ خیال خوشی اپنی دکھلانے لگا
اشتہر مرحومہ کیا فضل حق ہے واہ واہ
خانہ علما دین سے جھوٹ اڑ جانے لگا
اور مبارک جسکا نام نیک ہے عبد الرسول
مرزا اپنے پانو سے اب آپ ہی جانے لگا
جیسے خورشید تاباں دور ظلمت ہو گئی
میرزا کی بیخ اب جڑ سے اکھڑ جانے لگا
ہے بہر یہ بیس سال کو بیس رہا ہے بعد
بالمقابل اسکے کیونکر میرزا آنے لگا
ہیں مترجم اسکے مولانا غلام مصطفی
مفتی دوران ہیں فیض علم جو پانے لگا
با محاورہ ترجمہ اردو میں املا کر چکے
ہو گیا اور عقدہ دل صاف کہلانے لگا
یا الہی اسکی ہدایت اہل ایماں کو نصیب

کر دیا آزاد سبکو قید امر و نہی سے
نسبت پیغمبر کو بھی رہا پایا جو کچھ کہا نہ لگا
نازو غمزہ اسکی جہالت کا پھر نہ کیوں جائیگی
غش پہ غش کھانے لگے جسم گرتا لگا
اہل رفض و خارجی دشمن ہیں اپنے آپکے
ایسے تخم بدی دنیا میں پھیلانے لگا
کہہ کے خیر بنی شیطانی لیا لعنت کا طوق
منہ سے کھاتے کہاتے ابتر ناک سے کھانے لگا
مسمریزم معجزات ابن مریم کو کہے
وہ کہے ہے مسمریزم حق کو جھٹلانے لگا
ہر تعصب یاس ادب سے بے ادب سمجھا نہیں
سیف قاطع عالموں کی خوب چمکانے لگا
خاص کر جو فاضل اکمل جناب مولوی
علم و فضل و حلم کا جنسے نشاں آنے لگا
ہم نہیں فقط ثنا خواں ہیں بلکہ صدق طرز
آپ ہی مرزا سزا اس ظلم کی پانے لگا
نص قاطع سے کیا ثابت کہ زندہ ہیں مسیح
دیکھیو موجب کیا ہے اسکی کیا ہی اکڑنے لگا
کیوں نہ ہو شکریہ اہل دین الہی سعی پر
علم و دانش میں یہ گوئے فضل لیجانے لگا
ہر طرف دنیا میں پھیلا آپکا فضل و کمال
آفتاب صداقت نور چمکانے لگا
حق تعالی آپکو بھی جزا اسکا نیک دے
تو بچاوے جسکو وہ کب راہ سے گر جانے لگا

الہام ہو کر یہ رسالہ بھی بالنظر ثانی پھیرہ ہو گیا رہ ستارہ دل سمجھانے لگا ہر کسیلئے واجبی ہے کہ سمجھا استقدر سرا ہیں • دین حق فضل سے خدا کے پھر آنے لگا

والاولياء من الاقطاب والاوتاد الذي تخضع دون سرادقات دولته القياصرة
والاكاسرة وكل منهم في جنابه تاد وانقاد ومن تكبر واعرض عنه وفاد وعن استماع
مواعظه اصفاد فقد اباده الله فباد وكاد ان يكاد دار البوار يوم التناد وعلى آله
وصحبه الذين هم خزنة اسرار الدين المتين وباتباعهم ساد من ساد وبشقاقهم
وخلافهم زاغ عن الصراط السوي من زاغ ووقع في الالحاد وفسد قلبه اشد الفساد
كفساد طعام حاد وبعد فيقول الراجي للترقي الى اوج القبول **محمد غلام رسول**
الحنفي المجددي النوري القاسمي حفظه الله عن شر كل لئيم غبي وعفي عنه لما اكثر الضلال

اولیاء کے اقطاب۔ اوتاد میں سے وہ نبی کہ جنکی سلطنت کی پردوں کے نیچے شہنشاہ عاجزی کرتے ہیں۔
ہر ایک نے انہیں سے انکی جناب میں نرمی کی۔ جسنے اس سے مونہہ پھیرا اور متکبرانہ ناز کیا۔ جو انکی نصائح کے سننے غصہ سے
پھیرا۔ بلا شک اسکو اللہ نے ہلاک کر ڈالا۔ پس ہلاک ہوا۔ قریب ہے کہ جہنم میں قیامت کے دن گریگا۔ درود و سلام
ہو جیو آپکی قوم اور یاروں پر جو محکم دین کے اسرار کے خزانچی ہیں۔ انہی کی تابعداری سے سرداروں نے سرداری
پائی۔ انکے خلاف کرنے سے جو کجرو راہ مستقیم سے پھرا انہی کے خلاف سے ہے۔ بہیں سبب الحاد میں گرا تھا
ہوا۔ کرم خوردہ طعام کیطرح اسکا دل فاسد ہوا۔ بعد حمد و صلوۃ کے فرماتے ہیں جو امیدوار ہیں قبولیت
کی بلندی پر چڑھنے کے جنکا نامی **محمد غلام رسول** ہے۔ مذہبا حنفی طریقۃ نقشبندی مجددی
نوری عرفا اور نسبا قاسمی ہیں۔ بچاوے انکو پاک پروردگار ہر لئیم کند فہم کج عقل اور بہکے ہوئے کے شر سے
کہ جسکا گمراہی۔

لہ حضرت مصنف مد اللہ ظلہم مشرب نقشبندی مجددی نوری رکھتے ہیں۔ مجددی سے حضرت امام ربانی حضرت
شیخ احمد فاروقی سرہندی جو مجدد الف ثانی کے لقب سے مشہور ہیں۔ مراد ہیں نوری سے حضرت عارف مشہور
فی الآفاق مروج دین محمد حضرت خواجہ نور محمد الفاروقی المعروف بحضرت باباجی تیراہی مولنگا چوراہی مدفنا مقصود ہیں
قدس اللہ سرہما واوصل الینا بدہما۔ ٹہ قاسمی عرفا یہ حضرات حضرت مصنف عفی عنہ کے اجداد عالیہ سے ایک عارف
کامل ہیں جنکا نامی حضرت قاسم ابن عارف باللہ الجلیل حضرت بابا اسمٰعیل الہہائی رحمۃ اللہ علیہما ہے اور انہیں کے
حق میں میر سعد اللہ رشاہ آبادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے نیز زدہ شیخ اسمٰعیل مرد بازاہ راست دلیل اور ان حضرت
علیہ الرحمۃ کا اوہی ایک فرزند ساسا حضرت قاسم کہ حضرت سعد الدین رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور تاریخ مذکور میں نسبت انکے لکھا ہے۔
سہ عارف وقت بود و مرد ولی + سعد بابای احمد الدلی +

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله الذی هدی من الی هداه مال وهاد وارشد الی فهم الحقائق لمن فی تحقیق
الحق اشتد واد واشاد بذکر من جاد بالوصول الی لدقائق القرآنیه وفی رضاه جاد
من خاض فی آیاته خوض من لم ینب الیه فهو من انادی لیه صاد وعن سبیله صاد
وفی بوادی الحیرة کالحمار الحیدی حاد وذید عن حظیرة قدسه اشد الذیاد ومن
تخلی بسواده عن سواد عباده الصّالحین فهو احری بان یسوّد وجهه بالسواد لا بان
یسود ویساد ومن عاد لعصیانه من ایّ عاد کان کما اعتاد عاد فقد عاد الی شر
معاد والصّلوٰة والسّلام الاتمان الاکملان علی حبیبه وصفیه محمّد سیّد الانبیا

سب تعریفیں ثابت ہیں خاص پروردگار کو جس نے راستہ دکھلایا اوسکو کہ جس نے اوسکی راہ نمائی کی جانب میلان
کیا اور وہ راہ نمائی کی واسطے حقائق کو سمجھنے کیطرف اوس شخص کو جو حق کی تحقیق میں مضبوط اور قوی ہوا اور دقائق
قرآنیہ میں کامل الوصول اور اوسکی رضامندی میں جان نثار کرنے والیکا مرتبہ بلند کیا۔ جسنے اوسکی آیات
میں خوض کیا مانند اونکے خوض کے کہ جنھوں نے خدا کی طرف رجوع نہیں کیا پس وہ شخص ان لوگوں میں سے
کہ جنھوں نے خدا کی جانب رجوع کیا ہے سرکش اور متکبر ہے۔ خدا کی راہ سے مانع ہے۔ حیرت۔ گمراہی کی
میدانوں میں جنگلی گدھے کیطرح دور پڑا ہوا ہے۔ خداوند تعالی کی پاک بارگاہ سے مردود ہوا۔ جس شخص نے اپنے آپکو
خدا کے نیک بندوں کی جماعت سے الگ کیا وہ روسیاہی کا مستحق ہے سرداری کے قابل نہیں۔ جو شخص گناہ ہونے پر خوگر ہوا۔ گو
کسی قسم سے ہو جیسے کہ خوگر ہوا تھا قوم عاد پس بلاشبہ بری انجام کیطرف لوٹا۔ اکمل۔ اتم درود وسلام ہو حبیب خداوند تعالی کے
برگزیدہ۔ پیارے پر۔ جنکا اسم شریف محمّد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے جو سردار ہیں انبیاء

فهم لا يميزون بين القشر وبين اللباب ولا بين الدر وبين التراب ولا يفرقون
بين الشمال واليمين ولا بين الشيخ والجنين فهم حائرون في اودية الظلم وضلال
مبين الا يعلمون ان لعنة الله على الظالمين ولما بلغ الامر الى ما رأيت وانتهى الفساد
الى ما تلوت ودريت التمس مني بعض الاحباب وخلص الاحباب ان اظهر فساد
دلائل الكاديانی على دعواه من موت عيسى صلى الله وسلم على نبينا وعليه حين رفعه
الله اليه واثبت حيوته بالآيات القرآنية واكتفى بها من غير تعرض لذكر الاحاديث
النبوية على صاحبها الف الف تحية لان الكاديانی واتباعه لا يعتقد وبها ولا
يدينون بها ومن غير تعرض لسائر عقائدهم الفاسدة الكاسدة والمزخرفات
الواهية لعدم اشتهارها كاشتهار المسئلة الاولى ولعدم الفراغ لكثرة الاشتغال
بمطالعة الكتب السالفة المتداولة والافتاء للمستفتين وتعليم الطلبة ولتنفر

پوست۔ مغز۔ موتی۔ مٹی میں امتیاز نہیں کرتے۔ شیخ۔ جنین و آہنی با آہنی میں فرق نہیں کرسکتے۔
ظلم۔ ظاہر گمراہی کے میدانوں میں وہ حیران ہیں کیا نہیں جانتے ہیں کہ ظالموں پر خدا کی لعنت ہے۔
جبکہ اس درجہ پر فساد پہونچا تو ہمسے بعض محبوں۔ دوستوں نے التماس کی کہ ہم کادیانی کی دلائل
کا۔ جو اس نے اپنے دعوے (کہ مسیح علیہ السلام مرگئے ہیں اور صرف انکی روح مرفوع ہوئی ہے) پیش
کیتے ہیں۔ فاسد ہونا ظاہر کریں۔ ہم انکی حیات آیات فرقانیہ کے ساتھ ہی صرف استدلال کرکے ثابت
کریں۔ اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکے ثابت کرنے کے لئے[1] نقل نہ کریں گے۔ اس لئے کہ
دراصل کادیانی اور اسکے متبعین حدیث کو مانتے نہیں ہیں۔ بغیر اسکے کہ ہم بجز اس عقیدہ کے اسکے
اور عقائد فاسدہ اور ملمعات واہیہ کی جانب التفاف کریں۔ کیونکہ وہ عقائد اسقدر مشہور نہیں ہوئے
جیسا کہ پہلا مسئلہ شہرت پاگیا ہے[2] چونکہ ہمکو بسبب اسکے کہ ہم کو کتب متداولہ قدیمہ کا مطالعہ۔ افتاء تعلیم
کا بہت شغل ہے فراغت نہیں ہے۔

[1] کیونکہ اگر احادیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ذکر فرماتے تو زیادہ ہی طول ہوجاتا اسواسطے صرف قرآن
کی آیات کے ساتھ مسیح علیہ السلام کا زندہ ہونا ثابت فرمایا ۱۲ مترجم [2] واضح رہے کہ دراصل ایسے مسائل کے بانی
اور مجتہد سرسید صاحب ہیں مگر کادیانی صاحب نے انھیں کو کچھ تبدل و تغیر دیکر ظاہر کیا اور اپنا ہی اختراع ۲
جتلا کر انکی شہرت سے حصہ لیا ہاں انا مسیح کا دعویٰ ہی اس پر زیادہ کیا ۱۲ مترجم

والطغيان والبغي والعدوان في هذا الزمان من اجل الذي خرج من قاديان وادعى
انه المسيح الموعود به الآتي آخر الزمان وانه مات نبي الله عيسى بن مريم على نبينا
وعليه الصلوة والسلام ما دام الملوان وتعاقب القمران وانه لم يرفع بجسده
الى الخضراء فلا ينزل الى الغبراء واظهر عقائد الزنادقة ومكائد الملاحدة كل
مطالبه ومطالب من يحذو حذو النعل بالنعل الا افساد في البلاد وجل مآربهم
افشاء التزندق واشاعة العقائد الخبيثة الكفرية بين العباد واذاعة الارتداد
يدعون انفسهم المهتدين والحال انهم عن الصراط لناكبون وانهم الذين امنوا ثم
كفروا فطبع على قلوبهم فهم لا يفقهون فان ماتوا على ذلك فهم في جهنم خالدون
تلفح وجوههم النار وهم فيها كالحون ويقال لهم الم تكن اياتي تتلى عليكم فكنتم بها
تكذبون يظنون بالسلف الصالحين ظنا ويحسبون انهم يحسنون صنعا ونحن
بين اظهر قوم يسبون العلماء ويبغضون الفضلاء صناعتهم السب والشتم والطغيان
وفي تفضيح الامرين الناهين اطالة اللسان ليس لهم من العقل سهم ولا بالدين

حق سے تجاوز ۔ گردن کشی ظلم اس زمانہ میں بسبب اسکے جو قادیان سے ظاہر ہوا ہے زیادہ ہوا ۔ اسنے
دعوی کیا کہ جس مسیح کی آمد کا آخری زمانہ میں وعدہ دیا گیا ہے وہ میں ہوں ۔ دعوی کیا اسنے کہ مسیح علیہ
السلام علے نبینا و علیہ السلام مر چکے ہیں ۔ نہ وہ بجسدہ آسمان پر چڑھائے گئے ہیں ۔ اسلئے وہ زمین پر بھی
نہیں اتریگے ۔ اُسنے بُری عقائد ظاہر کئے ۔ نہیں ہے اسکا ۔ ان لوگونکے جو اسکے مطابق ہیں مانند مطابقت نعل کے
نعل کیساتھ مقصود مگر آبادیونمیں بگاڑ ۔ فساد ڈالنا تزندق پھیلانا ۔ پلید کفریہ عقائد کا درمیان بندگان خدا شایع کرنا انکا
اعلی مطالب ہے ۔ یہ ادعوی کرتے ہیں کہ ہم ہدایت یاب ہیں حالانکہ وہ سیدہی راہ سے برگشتہ ہیں ۔ وہ ایسے لوگ ہیں کہ ایمان لایا
انہونے پھر کفر کیا انھونے پس خداوند تعالی نے انکے دلونپر مہر کردی ہے جس لئے سمجھتے نہیں ہیں اس عقیدہ پر اگر وہ مرگئے تو وہ
جہنم میں ہمیشہ رہینگے ۔ انکے موہنونکو آگ جلادیگی اسمیں ترش رو رہینگے کہا جائیگا انسے کیا تم پر نہیں پڑہی گئیں تھیں ہماری
آیتیں ہیں پھر تم انکو جھٹلاتے ۔ بدگمانی کرتے اور سخت بدگمانی سلف صالحین کی نسبت کرتے ہیں ۔ پھر گمان کرتے ہیں کہ
ہم یہ کام اچھا کرتے ہیں ۔ ہم ایسی قوم کے درمیان ہیں کہ سب علما اور بعض فضلا جنکا پیشہ ہے سب و شتم ۔ طغیان انکا حرفہ ہے ۔
ان لوگونکی حقیقت حق نیکی کا امر برائی سے منع کرتے ہیں فضیحت کرنیکے لئے زبان درازی کرنا انکا کام ہے ۔ نہ تو انکو عقل سے حصہ نہ دین کی سمجھ ہے ۔

بقوله تعالى وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ تقرير استدلاله وتقديره ان خلت بمعنى ماتت والرسل جمع معرف بلام الاستغراق فلذا فرع عليه افان مات الخ اذ لو لم يكن الخلو بمعنى الموت او لم تكن الرسل جمعا مستغرقا لما صح التفريع اذ صحته موقوفة على اندراج نبينا صلى الله عليه وسلم في لفظ الرسل المذكور قطعا وذلك بالاستغراق وكذا صحته موقوفة على كون الخلو بمعنى الموت اذ على تقدير التغائر وعموم الخلو من الموت يلزم تفريع الاخص على الاعم مع ان التفريع يتعقب استلزام ما يتفرع عليه للمتفرع ومن المعلوم عدم استلزام الاعم للاخص فالتفريع الواقع في قوله تعالى يستدعي تحقق كلا الامرين من كون الخلو بمعنى الموت ومن كون الجمع مستغرقا وبعد كلتا المقدمتين

نہیں ہیں حضرت (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) مگر اللہ کے فرستادہ بلاشبہ آپسے پہلے پیغمبر گذرے ہیں کیا اگر آنحضرت صلعم مرجائیں یا مارے جائیں تو تم دین اسلام سے پھر جاؤگے۔ کادیانی کی استدلال کی تقریر اور صلاح یوں ہے کہ تحقیق خلت کا معنی مرگئے ہیں۔ الرسل کا لفظ الف لام استغراق کے ساتھ معرف ہے اسیواسطے اسپر افان مات متفرع ہوا کیونکہ اگر خلا کا معنے موت نہ لیا جاوے یا الرسل جمع مستغرق نہ ہو تو افان مات کا اسپر متفرع ہونا صحیح نہیں ہوگا وجہ یہ ہے کہ اس تفریع کی صحت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے الرسل میں داخل ہونے پر موقوف ہے۔ اسمیں شبہ نہیں اور ظاہر ہے کہ نبی صلعم کا لفظ الرسل میں داخل ہونا تب ہی درست ہوگا جبکہ الرسل کا الف لام استغراقی ہوگا۔ ایساہی اس تفریع کی صحت اس پر موقوف ہے کہ خلو بمعنی موت ہو۔ اسلئے کہ اگر موت اور خلو کے درمیان غیریت سمجھیں۔ خلو کو موت سے عام لے لیں تو خاص کی تفریع عام پر لازم آویگی۔ حالانکہ یہ غلط ہے کیا معلوم نہیں کہ تفریع تب ہی درست ہوتی ہے کہ جب متفرع علیہ کو متفرع لازم ہو لا غیر۔ پر ظاہر ہے کہ خاص عام کو لازم نہیں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ جو تفریع کلام الٰہی میں واقع ہے اسکے لئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ ایک خلو بمعنے موت ہو۔ دوم الرسل کا جمع مستغرق ہونا۔ ان ہر دو مقدمتین میں سے ایک کو شکل اول کا صغریٰ۔ دوسرے کو کبریٰ بنا دینگے شکل یہ ہے کہ

سلہ جہاں کہیں حضرت مصنف علام مدظلہم نے تہذیب کا ذکر کادیانی کے استدلال میں فرمایا ہے اس سے اسکی طرف اشارہ ہے کہ کادیانی گو کو دلیل پیش کرنیکا ڈھب نہیں آیا ہے مگر ہم اسکے بدلہ اسکی دلیل کو سنواریں گے ۱۲ منہ

الطبيعة عن التوجه الى امثال هذه الخرافات ولكن بعثها الالتفات عن اشباه هذه المزخرفات التي هي كفريات صرفة وارتدادات محضة اعاذنا الله تعالى واعاذ سائر المسلمين من شرور هذه الطائفة الباغية الملاحدة خذلهم الله على الجدة فاعتذرت منهم تارة بانصراف البال الى كثرة الاشغال وتارة بالتنفر عن صرف الاوقات في الالتفات الى الزور الصريح من هذا المقال فقدمت رجلا واخرت اخرى ومع ذلك لم يتركوا لي عذرا وحملوا به على جبرا فاجبت مسئولهم حسب ما التمسوا وانجحت مامولهم على ما اقترحوا فكتبت هذه الوريقة المختصرة وسميتها بالالهام الصحيح في اثبات حيوة المسيح وذكرت فيها دلائل الكاديانى مع تنقيتها ومنقحتها اولا ثم ازحتها ثانيا فوضح الحق الصريح وبطل ما كان يعمل الكائد والمكيدون فكبكبوا ونكسوا على رؤسهم هم والغاوون وجنود ابليس اجمعون فها انا اشرع في المقصود متمسكا بحبل الله الودود واقول ان الكائد استدل على موت عيسى عليه السلام

نیز ہماری طبیعت کادیانی و امثالہ کے خرافات کی جانب توجہ کرنے سے متنفر۔ ایسے جھوٹ کلمات کی طرف (جو کفریات اور ارتدادات صرف ہیں) ملتفت ہونے کو مکروہ سمجھتی ہے ہمکو اور باقی مسلمانوں کو سرکش ملحد طائفہ کے شر سے خداوند تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے" اسواسطے ہمنے ملتمسین سے عذر بیان کئے اولاً کہ ہم بہت اشغال میں مصروف ہیں ثانیاً کہ ہم ایسے کلمات کیطرف جو صریح جھوٹ ہیں التفات نہیں چاہتے ہیں۔ پس ہم ایک پاؤں کو آگے کو بڑھاتے۔ دوسرے کو پیچھے پر ہٹاتے باوجود اسکے ملتمسین نے کوئی عذر مسموع نہیں کیا۔ انہوں نے ہمکو حیات مسیح علیہ السلام کی ثابت کرنے پر مجبور کیا۔ لہذا ہمنے انکے سوال کو قبول کیا جسطرز پہ کہ انہوں نے التماس کیا تھا۔ ہمنے انکی امید براری کی جس طریق پر انہوں نے چاہا تھا۔ یہ چند ورقہ مختصر طور پہ ہمنے لکھے۔ اس کتاب کا نام الالہام الصحیح فی اثبات حیاۃ المسیح رکھا۔ اول ہمنے کادیانی کے دلائل کی خنی الوسع صلاح اور تہذیب اور اچھی تنقیح کی بعد ازاں اسکے دلائل کی تردید تکذیب عمدہ طور پہ لکھی۔ پس صریح طور پہ حق واضح ہوا مکاروں۔ فریبیوں کا کام باطل ہوا۔ لہذا وہ لوگ اور انکی گروہ جو گمراہ ہے شیطان انکی لشکر ہیں تمام سرنگون ہوگئے۔ خبردار ہو کہ ہم پروردگار کی مہربانی پہ بھروسا کرکے مطلب شروع کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ کادیانی حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات پر اس آیت سے استدلال کرتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ

سلہ عرب کا محاورہ ہے کہ جب کسی کام کا کرنا کبھی چاہتے ہیں اور کبھی نہیں چاہتے تو یہ جملہ کہتے ہیں ١٢ مترجم

كما فسره ارباب اللغة واطالة الكلام بالنقل من كتب اللغة لا يليق بهذا المختصر
وليس الا لاستغناء عن اطالتها ولم يفسر احد من ارباب اللغة لفظ الخلو بالموت فعلم
ان حقيقته اللغوية انما هي المضي لا غير كيف لا وقد تايد باسناد الخلو الى
المنافقين في قوله عز وجل واذا خلوا الى شياطينهم وفي قوله تعالى واذا خلا بعضهم
الى بعض وعدم ارادة موتهم بهذا اللفظ ظاهر واسند الخلو الى السنن وقيل وقد خلت
من قبلكم سنن والى الايام كما في سورة الحاقة في قوله عز وجل كلوا واشربوا هنيئا
بما اسلفتم في الايام الخالية ولا يتصور ان يراد بخلو السنن والايام موتها بل مضيها
وهذا ظاهر لا يخفى على احد فتفسير الخلو بالموت تعريف له بالاخص ولا اخص فان الموت

نوع من افراد الخلو

چنانچہ کتب لغات میں خلو کی یہی تفسیر موجود ہے ہم انکی نقلیں اسواسطے پیش نہیں کرتے کہ وہ
باعث طول ہے۔ اور یہ کتاب مختصر ہے۔ نیز جس کو علم سے کچھ تھوڑا بھی مس ہو وہ یہی کتب لغت
کا ملاحظہ کر سکتا ہے۔ لیکن یہ تو ضرور کہتے ہیں کہ خلو کا معنے کسی اہل لغت نے موت نہیں لکھے ہیں
پس اس سے معلوم ہوگیا ہے کہ اصلی اور حقیقی معنے خلو کا بجز گذرنے کے اور کچھ نہیں ہے اور ایسا کیوں
نہو حالانکہ یہ مرجح ہے اس سے کہ قرآن شریف میں خلو کو منافقین کیطرف اس آیت میں نسبت
کی گئی ہے۔ اس آیت کا مضمون یہ ہے کہ جب منافقین اپنے شیاطین کے پاس گذرتے اور جاتے ہیں
نیز جب منافقین میں سے بعض لوگ دوسرے منافقین کے پاس گذرتے اور جاتے ہیں اسیطرح خلو کو
قرآن شریف میں برسوں کیطرف نسبت کی گئی ہے دیکھو اس آیت کا مضمون یہ ہے کہ تم سے پہلے سنتیں
گذر چکی ہیں۔ اور دوسری آیت میں دنوں کی طرف اسکو نسبت ہے۔ دیکھو سورۃ الحاقہ میں ارشاد ہے کہ کھاؤ
پیو بسبب اسکے کہ گذشتہ گذرے ہوئے دنوں میں آخرت کیلئے آگے ہی بھیجا اعمال کئے ہوئے تھے۔
پس قرآن سے بھی ثابت ہوا ہے کہ خلو کا معنے موت نہیں ہے بلکہ اسکا معنے گذرنا اور جانا ہے۔
لہذا یہ مقصود نہیں ہے کہ خلو کا معنے موت لیا جاوے بلکہ بالضرور اسکا معنے گذرنا اور جانا ہے یہ بات
مخفی نہیں ہے۔ پس خلو کو موت کے ساتھ تفسیر کرنا یہ بعینہ اخص کے ساتھ تعریف کرنا ہے اسلئے کہ موت

خلو کا ایک قسم ہے

يقال ان المسيح رسول وكل رسول مات وينتج هذا القياس المؤلف من المقدمتين القطعيتين ان المسيح مات وهو المطلوب في الدليل على الصغرى قوله تعالى ورسولاً الى بني اسرائيل وقوله تعالى ما المسيح بن مريم الا رسول وامثالها من الآيات وتسليم جميع الفرق الاسلامية برسالته عليه السلام والدليل على الكبرى المقدمتان الممهدتان المذكورتان لانه متى كان الخلو بمعنى الموت وقد استدالى الرسل وثبت كونه جمعا مستغرقا فيندرج فيه المسيح عليه السلام قطعا فيلزم ثبوت الموت له في ضمن الكبرى فتثبت ما يصدقه الكبيديون ويزاح بمنع كلتا المقدمتين وبمنع لزوم استحالة عدم صحة التفريع على تقدير ارتفاع كليتهما او احدهما حقيقة كما فهموا وزعموا ويكونها مشترك الورود مطلقا بحسب الظاهر سلمت المقدمتان كلتاهما او منعتا وسند المنع الاول ان الخلو هو المضي

مسیح علیہ السلام بے شک رسول ہیں۔ ہر رسول مر گئے ہیں۔ اب اس شکل سے جو دو یقینی مقدمتین سے مؤلف ہے یہ نتیجہ نکلیگا۔ بے شک مسیح علیہ السلام مر گئے۔ یہی مطلوب تھا صغرا[سلہ] پہ دلیل یہ کلام الٰہی ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام بنی اسرائیل کیطرف فرستادہ ہیں۔ نیز یہ کلام ربانی جس کا معنے یہ ہے کہ نہیں ہیں مسیح بن مریم مگر خداوند تعالیٰ کے فرستادہ۔ انکی مانند اور آیات بھی ہیں جن سے مسیح علیہ السلام کا رسول ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور آپکا رسول ہونا کل اہل اسلام کے اجماع سے ثابت ہے۔ کبرا کے لئے دلیل وہ دو مقدمہ ہیں جنکی تمہید اور اصلاح ہو چکی ہے کیونکہ جب خلو بمعنے موت ہوا اور اسکی نسبت الرسل کی جانب کی گئی اور الرسل کا جمع ہونا ثابت ہوا تو مسیح علیہ السلام کا الرسل میں داخل ہونا یقیناً سمجھنا پڑیگا جبھی مسیح علیہ السلام کی موت کا کبرا کی ضمن میں ثابت ہونا لازم آویگا۔ پس کاویانیوں کا مطلب پایہ ثبوت تک پہونچا۔ اس استدلال کی تردید و ازالہ یوں ہے کہ یہ دونوں مقدمہ جو کبرا کو ثابت کرنے کے لئے دلیل بنائے گئے ہیں مسلّم نہیں ہیں۔ عدم صحت تفریع کا استحالہ اس صورت میں کہ دونوں مقدمہ یا ایک نہ پایا جائے نیز مسلّم نہیں۔ ہم اس استدلال کو اسطرح بھی توڑینگے کہ یہ استحالہ بہرحال لازم آویگا خواہ وہ دونوں مقدمہ مان لئے جائیں یا نہ۔ اب پہلے منع کی سند سنتے جائیں کہ خلو کا معنے گذرنا ہے۔

سلہ صغرا یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام رسول ہیں۔ کبرا یہ ہے کہ ہر رسول مر گیا۔ الرسل کا جمع مستغرق ہونا یعنی یہ کہ اس سے تمام پیغمبر آدم علیہ السلام سے جناب رسول اکرم تک مراد لئے جائیں ۱۲ مترجم

في سابق علمنا او بالقتل كما صاح به الشيطان واستقر في قلوب كثير والتصريح بالثاني
لموافقته للواقع ومطابقته لتقدير الله تعالى وذكر الثالث وان لم يطابق الواقع والتقدير
مراعاة لزعمهم وتوسيعا لنفي جواز الارتداد على كلا الشقين وان كان هذا الثالث
مزعوما محضا وجهلا مركبا الا انه لما كان قوي الاحتمال وكثر وقوعه بين الانبياء
السابقين كما دل عليه قوله عز وجل يقتلون النبيين بغير الحق فكان ذكره ضروريا
وعدم التصريح بالاول وان كان هو المراد لانتفاء ما يوجب ذكره من الموجبات
المذكورة لظهور عدم توافقه التقدير والواقع وعدم استقراره في قلوبهم وشذ وقوعه
فتدبره فظهر ان المتفرع في الحقيقة هو نفي جواز الارتداد على تقدير احد الشقوق
الثلثة المصدرة وذلك لان الامر الدائر بين الثلاثة مساو للمعلوم من الجميع فلا يلزم تفريع الاخص
على الاعم على تقدير كون المعنى الحقيقي مرادا من لفظ الخلو بل يلزم تفريع احد المساويين

یا انکا انتقال شہادت سے ہو جیسا کہ اس قسم کی آواز شیطان نے دی تھی اور بہت سوں نے اس پر یقین کر لیا تھا ثانی کا یا
ضروری البیان ہے کہ آیت میں موت اور قتل کا صریح ذکر کیا گیا ہے۔ رفع کا سو واضح رہے کہ موت کی تصریح کی تقدیر
اس لیے کی گئی کہ یہی تقدیر الٰہی اور واقع کے مطابق تھی۔ قتل کی تصریح اس لئے کی گئی کہ ان کا خیال تھا اور اسکے
تقدیر پر (موت اور قتل) سمجھے جائیں کہ دین سے پھر جانا ناجائز ہے۔ انکا مقتول ہونا اگر انکا زعم ہی زعم
تھا۔ لیکن چونکہ انبیاء سابقین بہت سے مقتول ہو چکے تھے (دیکھو خداوند فرماتا ہے کہ انہوں نے نبیوں
کو ناحق قتل کر دیا ہے) تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی یہ گمان قوی ہو گیا تھا۔ اسواسطے
آیت مذکورہ میں قتل کا ذکر کرنا ضروری تھا۔ رہا یہ کہ رفع کا ذکر نہیں ہوا۔ باوجودیکہ عبارت میں وہی مقصود ہے۔
سو واضح ہو کہ اسکی تصریح چند وجہ ضروری نہیں تھی۔ اولاً کہ انکا مرفوع ہونا تقدیر اور واقع کے مطابق نہیں تھا۔
دوم کہ اس قسم کا خیال مخالفین کو نہیں تھا۔ سوم آپ سے پہلے رفع نادر الوقوع تھا۔ بنابریں علیحدہ ثابت ہوا کہ تینوں تقدیروں
پر موت۔ قتل۔ (رفع) جواز الارتداد کا انکار ہی متفرع ہے لا غیر۔ اسمیں شک نہیں ہے کہ انتقال ہو تینوں امور
دائرہ خلو کے ساتھ (جیسا انکا معنی حقیقی گذرا ہو) مساوی ہے اسلئے اب احتمال لازم نہیں آیا۔ وجہ یہ ہے کہ
اس صورت میں ایک مساوی کی دوسرے مساوی پر تفریع ہوگی۔ اور یہ جائز ہے نہ اخص کی اعم پر

حاشیہ (۱) ایک جنگ میں طارق آواز دی تھی کہ آنحضرت مقتول ہوگئے "افائن مات او قتل" حضرت نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے ۱۲ مترجم

يشمل على الانتقال الكلي بجميع اصنافه سواء كان ذلك الانتقال من الاعلى
الى الاسفل ويسمى ذلك خفضا او من الاسفل الى الاعلى ويسمى ذلك رفعا او
من القدام الى الخلف او بالعكس ويشمل على الموت بالجرح الذي هو القتل وعلى
الموت بلا جرح فلا يليق بموت المسيح عليه السلام وان سلم الاستغراق فان ثبوت
الاعم كالخلو مثلا وان كان لكل فرد فرد من نوع ما كنوع الرسل مثلا لا يستلزم ثبوت
كل ما يندرج فيه من انواع ذلك الاعم لكل فرد فرد من ذلك النوع كما لا يخفى على
من له ادنى دراية والتمسك على تفسيره بالموت دون المضي بلزوم استحالة تفرع الاخص
على الاعم مردود بان المتفرع في الحقيقة انما هو استبعاد الانقلاب وانكار جواز
الارتداد على تقدير فقدان وجود الرسول صلى الله عليه وسلم من بين اظهر القوم
بعد اتمام الرسالة وتبليغ الاحكام الالهية فكان تقدير الكلام وما محمد الا رسول قد خلت
اي مضت من قبله الرسل فهل يجوز لكم الارتداد [illegible] الدين [illegible]
المبين ان قتل او رفع كما رفع عيسى [illegible] او بالموت [illegible]

کہ ناظر ہر ایک قسم کے انتقال کا اس پر صادق آتا ہے اگر بلندی سے پستی کی جانب انتقال ہو تو اس [illegible] کا نام
خفض ہے اگر پستی سے بلندی کی طرف انتقال ہو تو اس [illegible] کا نام رفع ہے یا [illegible] آگے سے پیچھے یا
برعکس اسکو [illegible] ہر قسم کی موت خواہ [illegible] یا بالاجرح [illegible] الرسل [illegible] استغراق
ہو تو [illegible] لازم نہیں آتا کہ [illegible] تمام [illegible] کوئی رسول [illegible] ہر فرد کو
ثابت ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس عام کا ہر قسم [illegible] رسول کے ہر فرد کو ثابت [illegible] اگر خلو
کی تفسیر موت سے [illegible] لازم آوے گی [illegible] انقلاب کا [illegible] اور ارتداد
کے جواز کا انکار [illegible] مگر آنحضرت صلعم کو [illegible] اور رسالت [illegible] موجود نہ ہونے کی [illegible]
تیں حاصل اس آیت کا یہ ہوا کہ نہیں ہیں آنحضرت صلعم مگر اللہ کے رسول بلاشبہ آپ سے پہلے رسول گذر چکے ہیں [illegible] کیا
جائز ہے تمہارے لئے دین سے پھر جانا اگر وہ منتقل کئے جاویں اسطرح پر کہ آسمان پر اٹھائے جاویں جیسے [illegible]
(یہ بات بالاجماع ثابت ہے) یا جسطرح ادریس علیہ السلام آسمان پر چڑھائے گئے یا اگر آپکا انتقال موت سے ہو
چنانچہ یہی انکی نسبت علم ازلی میں مقرر تھا۔

بهذه الآية فليس موضع استشهاده رضی الله تعالی عنه بهذه الآية كلمة خلت
بل قوله تعالی افائن مات لما انكر الفاروق العادل رضی الله تعالی عنه موته صلی الله علیه وسلم
وقال ما مات رسول الله صلی الله علیه وسلم ولا یموت وكان ذلك جزما منه بامتناع موته
صلی الله علیه وسلم فرد الصدیق رضی الله تعالی عنه ذلك الامتناع بقوله تعالی افائن مات
فان مدخول ان بحسب اصل الوضع لا یكون الا من الامور التی یجوز تقررها ویمكن
وجودها لا من الامور التی تابی عن التكون والتقرر وهذا واضح علی من طالع بحث معانی
الحروف فاذا ثبت جواز تقرر الموت علیه صلی الله علیه وسلم ارتفع الامتناع الذی هو
نقیضه ویدل علی كون موضع استشهاد سیدنا الصدیق رضی الله تعالی عنه قوله تعالی
افائن مات لا كلمة خلت قراءته رضی الله تعالی عنه حین الاستدلال قول الله عز وجل
انك میت وانهم میتون . وتقریر استدلالهم بمنع المقدمة القائلة ان كل جمع معرف
باللام فهو مستغرق للافراد كلها بان یقال ان هذه المقدمة ممنوعة كیف لا وقد صرح المحققون

آیت مذکورہ کو دلیل کے طور پر پیش فرمایا ہے ۔ انھوں نے تو لفظ خلت (گذرے اور گئے) سے مدعا ثابت
نہیں کیا بلکہ افائن مات (کیا اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مرجائیں) سے استدلال فرمایا ہے سبب یہ کہ حضرت
فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بعد موت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمایا تھا کہ آپ نہیں مرے اور نہ مریں گے
اور اس خیال سے فرمایا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موت جائز نہیں اور غیر ممکن ہے اس واسطے حضرت صدیق
رضی اللہ عنہ نے آپکے اس خیال کے اٹھانے کیلئے اس آیت کو پڑھکر افائن مات سے استدلال فرمایا ۔ وہ اس طرح پر ہے کہ
در اصل مدخول ان کا وہ ہوتا ہے کہ جسکا پایا جانا اور واقع ہونا ممکن اور جائز ہو لا غیر چنانچہ یہ بات ان لوگوں پر
واضح ہے جو بحث معانی حروف سے آگاہ ہیں پس جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کا ہونا ممکن اور جائز ہوا تو حضرت
فاروق اعظم کا خیال جو اسکے ناممکن ہونے پر جما ہوا تھا ۔ بالکل اٹھ گیا ۔ یہ بات کہ صدیق اکبر نے افائن مات سے
استدلال فرمایا ہے اس سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ اس وقت پر حضرت صدیق اکبر نے یہ آیت بھی پڑھی تھی جسکا مضمون یہ ہے
کہ اے رسول کریم تم اور وہ موت کا مزہ چکھنے والے ہیں ۔ انکا یہ قول کہ ہر جمع جو معرف باللام ہو وہ تمام افراد کو شامل
ہوتا ہے مسلم نہیں ہے چنانچہ یہی محققین کی کتابوں میں مصرح ہے ۔

سلہ حضرت [illegible] علامہ مدظلہم کی تقریر [illegible] صدیق اکبر [illegible] استدلال فرمانے [illegible]
خاص اور دلیل عام [illegible] ۱۲ مترجم

على الآخر وذا جائز كما يقال رأيت زيدًا انه جسم نام حساس متحرك بالارادة مدرك
للكلي والجزئي فيفرع على هذا المفصل انه انسان ولا ارتياب في تساوي هذا
المجمل وذلك المفصل وفي صحة تفريع احدهما على الآخر والامران اللذان حكمنا
بهما وانهما وكون احدهما متفرعًا والآخر متفرعًا عليه هو ثبوت خلو كل رسول
ونفي جواز الارتداد على تقدير تحقق واحد من الشقوق فان النسب انما تقتضي [illegible]
مطلقًا اعم من ان يكونا وجوديين او سلبيين او يكون احدهما وجوديًا والآخر سلبيًا
ولا يلزم توافقهما في الثبوت او العدم والدليل على لزوم ذلك النفي للخلو ان المقصود
من البعثة وارسال الرسل التشريع مطلقًا وتبيين الطريقة الموصلة الى الله تعالى لا التشريع
الى زمان وجود الرسول بين اظهرهم ولم يخل زمان من الرسل وذا باطل باتفاق من
اهل الملل فوضح بطلان توهم لزوم استحالة تفريع الاخص على الاعم على فرض ارادة المعنى
من الخلو واما استدلال المجيب بآية الاكرم على ثبوت سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم

عام پر جو نا جائز ہے۔ دیکھو کہتے ہیں کہ ہم نے زید کو نشوونما پانے والا بالارادہ حرکت کرنے والا
کلیات وجزئیات کا ادراک کرنے والا جسم پایا ہے۔ پس اسپر تفریع یا کہہ سکتے ہیں کہ وہ
انسان ہے کیونکہ وہ مفصل اور یہ مجمل (انسان) آپس میں مساوی ہیں جنہیں سے ہم نے ایک کو
متفرع اور دوسرے کو متفرع علیہ کہا ہے وہ یہ دو ہیں ہر رسول کا گذرنا ہر ایک تقدیر پہ جواز ارتداد
کی نفی کا سبب یہ ہے کہ نسبتوں کے لئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے خواہ وہ دونوں ثبوتی یا دونوں
عدمی یا ایک وجودی اور دوسرا عدمی ہو یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ دونوں عدمی یا دونوں وجودی ہوں
باقی یہ کہ ارتداد کی نفی خالی ہونے گذرنے کو کسطرح پر لازم ہے تو اس پر یہ دلیل ہے کہ اللہ جل شانہ نے
پیغمبروں کو صرف اسواسطے مبعوث فرمایا ہے کہ تا مطلقًا شریعت کو بیان کریں اور طریقہ کو جو اللہ تک پہنچانے
والا ہے معین کردیں اسواسطے مبعوث نہیں فرمایا کہ وہ اسی زمانہ تک شریعت کو ظاہر کریں کہ جبتک کہ وہ قوم کے
درمیان موجود رہیں ورنہ لازم آویگا کہ کوئی زمانہ بھی رسول سے خالی ہو حالانکہ یہ امر بیجا اور بالاتفاق باطل ہے۔
اس سے واضح ہو گیا ہے کہ اخص کی تفریع عام پر (اگر خالی سے گذرنا ہی مراد ہو) لازم نہیں آتا۔
[illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم کی [illegible] ہے

وجنس الرسل قد خلا ومن المعلوم ان ما وقع وثبت لبعض افراد الجنس بالنظر الى ذاته وماهيته يمكن ان يثبت لسائر افراده فالثابت للبعض بالنظر الى ماهيته كما يستلزم امكان الثبوت لذلك البعض يستلزم امكانه لباقي الافراد فهذه المهملة اعني قد خلت من قبله الرسل وان كانت بالنظر الى الفعل والاطلاق بمنزلة الجزئية غير صالحة لكبروية الشكل الاول الا انها باستلزامها للممكنة الكلية صالحة لها فغاية ما ينتجه القياس على هذا ان المسيح ميت بالامكان بان يقال المسيح رسول وجنس الرسل قد خلا بالفعل والاطلاق وقد عرفت انه يلزمه قولنا كل رسول خال وميت بالامكان فهذا القول اللازم يجعل كبرى منضمة الى الصغرى فينتج النتيجة المذكورة فصح التفريع ولم يلزم الاستحالة العقلية ولا المحذور الشرعي من ثبوت موته عليه السلام في الزمان الماضي لكونه خلافا لظاهر القرآن والاحاديث واجماع الامة وهذا مع منع كون لفظ الرسل جمعا مستغرقا فانه ثبت مطلوب الكيديين على تقدير منع احد المقدمتين فقط وعدم ثبوت مطلوبهم على تقدير منعهما معا

اسمیں شک نہیں ہے کہ پیغمبروں کی جنس گذری اور گئی ہے ظاہر ہے جو چیز (مثلاً موت) جنس کے بعض افراد کو باعتبار ذات کے ثابت ہو اسکا باقی افراد کو بھی ثابت ہونا جائز ہے پس جیسا کہ اس چیز کا ثبوت بعض افراد کے لئے ملزوم الامکان ہے ویسے ہی باقی افراد کے لئے۔ واقع میں یہ مہملہ[1] اگرچہ بمنزلہ جزئیہ ہے اسلئے شکل اول کا کبریٰ نہیں بن سکتا (کیونکہ اسمیں کبریٰ کی کلیت شرط ہے) لیکن اس مہملہ کو ممکنہ کلیہ لازم ہے۔ اسوجہ سے وہ کبریٰ بن سکتا ہے۔ جیسا کہ کہدیں کہ مسیح رسول ہے اور بالفعل جنس رسول بالفعل گزرا اور گیا" پھر ممکنہ کلیہ کو جو اس مہملہ کو لازم ہے کبریٰ بنائینگے۔ پس شکل اول حاصل ہوگی۔ وہ یہ کہ مسیح رسول ہے ہر رسول بالامکان میت ہے اسلئے یہ شکل یہ نتیجہ دیگی کہ مسیح علیہ السلام بالامکان میت ہیں۔ پھر اس نتیجہ سے ثابت ہوا کہ تفریع درست ہوئی۔ اور نہ کوئی محال عقلی اور شرعی لازم آئے ہوا (یعنی مسیح علیہ السلام کا مرنا جو قرآن و احادیث و اجماع کے مخالف ہے) اب دیکھئے کہ صرف ایک ہی مقدمہ کو تسلیم نکرنے کی حالت میں یہ کیفیت ہوئی تو پھر جس حالت میں دونوں مقدموں کو تسلیم نکرینگے انکا دیانی کا مدعا کہاں ٹھکانا ہے۔ چنانچہ جن لوگوں کو کچھ بھی سمجھ ہے وہ بھی اس بات کو جانتے ہیں ہاں یہ بھی یاد رہے کہ

---

[1] مہملہ وہ ہے کہ جسمیں افراد کی مقدار بیان نہ کیگئی ہو جیسے اس قضیہ میں نہ یہ ہوگا کہ یہ حکم تمام افراد پر ہے اور نہ بیان ہوگا کہ یہ حکم بعض افراد پر ہے چونکہ قد خلت من قبلہ الرسل بھی ایسی ہی ہے (تمام افراد رسول یا بعض افراد رسول کو حکم لگایا گیا۔ چنانچہ اور اسیواسطے مصنف علام مدظلہم نے اسکو شبیہ مہملہ فرمایا ہے ۱۲ مترجم

بذلك في اسفارهم الا ترى الى قوله عز وجل واذ قالت الملئكة يا مريم ان الله يبشرك
الاية والى قوله تبارك وتعالى واذ قالت الملائكة يا مريم ان الله اصطفاك الاية فقد ذكرت
صيغة الملائكة وهي جمع معرف باللام ولم يرد الاستغراق وقال تعالى فسجد الملائكة كلهم
اجمعون فلو كان كل جمع محلى باللام مستغرقا لكان ذكر كلهم مستدركا ولو اردنا ان
نجمع الامثلة المثبتة لنقيض المقدمة الممنوعة لجمعناه دفاتر كبيرة ولكن العاقل يكفيه
ما ذكرنا من البيان والجاهل الهائم النائم لا يستيقظ بضرب السنان ومن غوائل الهيئة
يؤدي الى منع الكبرى الكلية من مقدمتي القياس الفاسد الكاسد للكاديانى فلا نقطاع اثر
الانتاج لا ينتج ذلك القياس قوله ان المسيح مات واما قولنا ان استيلاء عدم صحة
التقريب على منع الاستغراق غير وارد في الحقيقة لان المراد من قوله تعالى وما محمد الا
رسول قد خلت من قبله الرسل ان محمدا صلى الله عليه وسلم ليس الا بشرا رسولا

اسکی تائید قرآن مجید میں ہے۔ ان آیات کا ماحصل یہ ہے کہ کہا فرشتوں نے مریم سے کہ اے مریم خداوند تعالیٰ
بلاشبہ تمکو خوشخبری دیتا ہے۔ مریم سے فرشتوں نے کہا کہ اے مریم خداوند تعالے نے تجھکو برگزیدہ کیا ہے۔
اب دیکھو کہ ان آیات میں الملائکہ کا لفظ جمع اور معرف ہے مگر تمام فرشتے مراد نہیں ہیں۔ ہمارے مدعا کو یوں بھی
تائید ملتی ہے کہ حق سبحانہ فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ اسمیں بھی لفظ الملائکہ سے تمام
فرشتے مراد نہیں لئے گئے بلکہ یہ فائدہ لفظ کل اور اجمعون نے دیا ہے۔ ورنہ یہ لفظ بے فائدہ ٹھہرینگے بیجا و بالا
ایسا ہی بہت قرآنی مثالیں ہیں کہ جن سے مخالف کے برخلاف جمع معرف باللام استعمال کیا گیا ہے لیکن
چونکہ ان سب کا ذکر کرنا ملول کا باعث ہے۔ اسی پر اکتفا کیا نیز عاقل کو اتنا ہی کافی ہے جو ہمنے ذکر کیا ہے۔
جبکہ یہ مقدمہ غیر مسلّم ہوا تو شکل مذکور کے کبریٰ کی کلیت بھی غیر مسلّم ہوئی۔ پس یہ نتیجہ کہ مسیح علیہ السلام مرگئے
اس سے حاصل نہیں ہوگا۔ اسلئے کہ شکل اول میں کبریٰ کی کلیت شرط ہے اور کلیت تو جاتی رہی۔ لہذا نتیجہ جو مشروط
ہے وہ بھی جاتا رہا۔ اور یہ جو ہمنے کہا کہ اگر الف لام استغراقی نہ لیا جاوے تو دراصل تقریب کا ناجائز ہونا
لازم نہیں آویگا سو اسکی وجہ یہ ہے کہ جس آیت کا یہ مضمون ہے کہ نہیں ہیں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) مگر خداوند تعالے
کے رسول بالتحقیق آپ سے پہلے گذرے اور گئے۔ اس سے یہ مراد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
صرف خدا کے مقرب بندے اور سچے رسول ہیں۔

صلی اللہ علیہ وسلم بالنظر الی ذلک الوصف فیہم عدم صحۃ التفریع بحسب الظاہر لانہ
اذا لم یکن مندرجا فی جماعتہم فکیف یتعدی الحکم منہم الیہ فان التعدی فرع الاندراج
وعدم المتفرع علیہ یوجب عدم المتفرع فلم یجد لہم تخصیص الخلو بالموت ولا ادعاء
الاستغراق وکیف والتمسک بالحشیش لا ینفع الغریق فما یجیبون بہ عما ورد علیہم
نجیب بمثلہ مع فضلنا علیہم بما اجبنا ولا یمکن لہم التشبث بجوابنا لدلالتہ علی عدم
مدعاہم ونقیض مناہم فان امکان شیء کما یقارن ثبوتہ یقارن عدمہ وثبوت الاعم من
المطلوب غیر نافع للمدلل وان نفع المانع السائل وانتفاء ہذہ القاعدۃ علیہم من کمال
جہلہم ونہایۃ حمقہم مع کونہا فی غایۃ الانکشاف وغایۃ الظہور ومن لم یجعل اللہ لہ نورا

کہ رسول کریم صلعم اس زمانہ میں کہ دوسرے انبیاء ہیں وصف خلو سے موصوف ہو گئے تھے۔ خلو کے ساتھ
موصوف نہیں ہوئے تھے۔ تو پھر یہ ضرور تسلیم کرنا پڑیگا۔ کہ آپ رسل ماضیہ میں (اس سبب سے کہ وہ اس وصف سے
خالی تھے) داخل نہیں ہوئے۔ پس جس حالت میں یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء سابقین میں
داخل نہیں تو ظاہرا تفریع کی عدم صحت کا پھر بھی اقرار کرنا پڑے گا کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
تو انمیں داخل ہی نہیں ہوئے ہیں پھر کیونکر خلو کا حکم جو ان پر لگایا گیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کیطرف منتقل ہوگا آخر یہ تو صریح الفہم بات ہے کہ انتقال موقوف اور داخل ہونا موقوف علیہ ہے۔
پس جہاں پر موقوف علیہ ہی نہیں پایا گیا ہو موقوف کیسے پایا جاوے گا۔ لہذا کادیانیوں کو خلو کا صرف
موت ہی میں منحصر سمجھنا۔ الرسل کو جمع مستغرق ٹھہرالینا بالکل نافع نہیں ہے۔ کیا غریق کو گھاس کو تنکا
مارنا کچھ فائدہ دیتا ہی نہیں۔ اب ہم کہتے ہیں کہ جو کادیانی اس الزام کے دفعیہ میں پیش کریں گے وہی
ہماری طرف سے بھی حاضر ہے مگر مع ہذا ہمارا ہی پلہ بھاری ہے کیونکہ ہم تو اسکے سوا بھی جواب دے چکے ہیں۔
چنانچہ ماسبق سے ظاہر ہے شاید کادیانی ہمارے ہی جواب کو اپنی طرف سے بھی جواب سمجھیں۔ لیکن یہ تو انکے
لئے نافع نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ ہمارا جواب ایسی چیز پر دلالت کرتا ہے جو کادیانیوں کے مدعا اور نقیض کو
شامل ہے کیا دیکھتے نہیں کہ کسی چیز کا امکان جیسا کہ اس چیز کے وجود کو مقارن ہے ویسے ہی اس کے
عدم کو مقارن ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ مدعا اور غیر مدعا کو جو ثابت ہو اسکا پایا جانا گو مانع اور تسلیم نہ ہوا لیے
سائل کو نافع ہو۔ مگر دلیل پیش کرنیوالے کو ہرگز نافع نہیں ہے۔ یہ قاعدہ بالکل مسلمات سے ہے اور ظاہر ہے مگر کادیانیوں

لیلی واولی وهذا ظاهر لمن له ادنی درایة وما قلنا من الاشتراک وبوجه عدم صحة التفریع ظاهراً علی تقدیر
تسلیم المقدمتین ایضاً کما علم منه بما قلنا ان صیغة الرسل وان سلمت انها مستغرقة وسلم ان الخلو
بمعنی الموت لا تستغرق نبینا محمداً صلی الله علیه وسلم لان الکلام وقع فی خلو الرسل قبله علیه وعلیهم
السلام ومن الضروری ان خلوهم قبله معناه انهم سابقون علیه فی وصف الخلو وهو لاحق بهم فی
ذلک الوصف وهذا السبق واللحوق متباینان اللذان لا یجتمع فیهما الفعل بالبعد او کالاجتماع
الفعل فحین کون الرسل واجدین لوصف الخلو کان نبینا صلی الله علیه وسلم فاقداً له فلو کان
مثلهم فی ذلک الحین للزم فی قوله تعالی قد خلت من قبله الرسل الاخبار بقبلیة الشیء علی
نفسه ومع فقدانه علیه السلام ذلک الوصف وتحلی سائر الرسل به کان مستعداً له
یمکن له ان یتحلی بها خلو فاذا ثبت کونه علیه السلام فاقداً لوصف الخلو حین خلت الرسل
فلم یندرج فی تلک الرسل الخالیة حین فقدان ذلک الوصف ویلزم علی عدم اندراجه

ہم پہلے یہ بھی بیان کر آئے ہیں کہ اگر دونوں مقدموں کو (الف لام کا استغراقی ہونا اور خلو کا بمعنی موت ہونا) مان بھی
لیں تو بھی ظاہراً تفریع کی عدم صحت کا الزام نہیں جاتا۔ جیسا کہ دونوں مقدموں کے تسلیم کرنے کی تقدیر پر نہیں جاتا
سو اسلئے کہا جاتا ہے کہ الرسل کا لفظ گو ہم اسکو جمع مستغرق اور خلو کو بمعنی موت ہی لیں ہمارے سردار حضرت محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کو شامل نہیں ہوگا کیونکہ اس کلام ربانی (قد خلت من قبلہ) میں آپ سے پہلے رسولوں کا خلو
بیان کیا گیا ہے اور یہ بھی ہے کہ انکا خلو آپ سے پہلے ہے یعنی یہ ہے کہ وہ آپ پر وصف خلو میں سبقت
لیگئے ہیں اور آپ انکے اس وصف میں متاخر ہیں۔ ظاہر ہے کہ انکی پیش دستی اور آپکا تاخر یہ دونوں زمانی ہیں۔
یعنی تقدم تاخر کے ساتھ موصوف ہوتے تھے سو لازم ہوا کہ جس زمانہ میں اور رسول علیہم السلام وصف خلو کے
ساتھ موصوف ہوتے تھے اسوقت میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اس وصف کے ساتھ موصوف نہیں تھے۔
وجہ یہ ہے کہ اگر ہم مان لیں کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم بھی ان پیغمبروں کے ساتھ ہی خلو سے موصوف
ہو چکے تھے تو یہ برائی لازم آئیگی کہ آیت ربانی میں ایک چیز کے اپنے آپ پر مقدم ہونے کی خبر دیگئی ہے حالانکہ
نادان کو بھی اسکے بطلان کو جانتے ہیں۔ الغرض جب یہ اعتقاد کر لیں کہ جس زمانہ میں اور پیغمبروں کو خلو حاصل
ہو گیا تھا تو تب جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ وصف لاحق نہیں ہوا تھا ہاں اتنا کہہ سکتے ہیں
کہ آپکے لیے خلو اور گذرنا ممکن تھا۔ جیسا کہ اور انبیاء گذر گئے اور گئے۔ بنابراں کہہ سکتے ہیں کہ جب یہ ثابت ہوا

ما المسيح بن مريم الا رسول قد خلت من قبله الرسل وقال تعالى قد خلت وقد خلت الرسل
او قال عز وجل قد خلا كما خلت الرسل او اكتفى بقوله قد خلت الرسل ولم يقل وقد خلت
من قبله الرسل وهذا بناء على انحصار الجمع المعرف باللام فى الاحاطة والشمول
كما زعم الكائد ومقلدوه المكيدون فالتقييد بقوله من قبله صريح فيما قلنا ودلالة
هذه الاية على حيوة المسيح لا تتوقف على استغراق الرسل ليلزم ذلك المحذور
من ثبوت الموت للنبى صلى الله عليه وسلم حين نزول تلك الاية بل يكفى فيها كون
الرسل جنسا فيقال فى توجيهها ان جنس الرسل وان كان تحقق فى الموارد الخاصة
قد خلا من قبل المسيح والمسيح وان لم يخل الى الان فسيخلو كما خلت الرسل جنسهم
فيكون مفادها ان الموت له على نبينا وعليه الصلوة والسلام لم يوجد الى الان
ولكنه سيموت كما ان مفاد الاية الاولى نفى موت نبينا صلى الله عليه وسلم فيما مضى و
ترقيبه له فيما ياتى ومتى دلت هذه على حيوة المسيح عليه السلام فلو دلت تلك على موته

نہیں ہیں مسیح ؑ مگر خدا کے رسول۔ بلاشبہ رسولوں کے ساتھ ہی مرگئے ہیں۔ یا بلاشبہ مسیح مرگیا
درحالیکہ اور رسول مرگئے۔ یا بلاشبہ مسیح علیہ السلام مرگئے۔ جیسے کہ اور رسول مرگئے۔ یا بلاشبہ
رسول مرگئے۔ اور نہ فرماتا۔ بلاشبہ مسیح سے پہلے رسول مرگئے" مگر یہ سب کچھ اس تقدیر پر ہے کہ
جب الرسل کو جمع مستغرق مراد رکھیں گے جیسا کہ کادیانی اور اسکے مقلدی کا گمان فاسد ہے۔
پس خلو کو من قبلہ (آپسے پہلے) سے مقید کردینا اسی لئے ہے جو ہم بیان کرآئے ہیں۔ رہی یہ بات
کہ یہ آیت مسیح کی حیات پر تب ہی دلالت کریگی جبکہ الف لام استغراقی لیں۔ اس سے نبی کی موت
آیت کے نازل ہونے کیوقت میں لازم آویگی" سو یہ غلط ہے کیونکہ لفظ الرسل سے جنس رسول مراد ہے۔
اس صورت میں اسکی توجیہ یوں ہوگی کہ جنس رسول کسی زمانہ میں اس کا وجود ہوا گو مسیح علیہ السلام ابتک نہیں مرے
مسیح سے پیشتر مرگیا ہے۔ لیکن مسیح علیہ السلام بھی اس جنس کی طرح مریں گے۔ بنا بر علیہ اس آیت کا حاصل
یہ ہوگا کہ مسیح اگرچہ ابتک نہیں مرے ہیں مگر آخر مریں گے۔ یہ ایسا ہوا جیسا کہ پہلی آیت سے ہمارے
سید صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کی زمانہ ماضی میں نفی اور آیندہ انتظار ثابت ہوا تھا۔ اب اگر باوجود اسکے
کہ اس آیت نے مسیح کی حیات پر دلالت کی ہے۔ اس آیت سے انکی موت سمجھ لیں گے۔ تو یہ

فما لہ من نور علے انہ لو دل قولہ تعالیٰ وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل علے موت ما عدا نبینا صلے اللہ علیہ وسلم من الرسل جمیعہم لدل قولہ تعالیٰ ما المسیح بن مریم الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل علی موت ما عدا نبی اللہ عیسٰی علیہ السلام من الرسل جمیعہم ویندرج فی ذالک العام المحکوم علیھم بالموت نبینا صلی اللہ علیہ وسلم و ھذا محال فان نزولہ لم یکن الا فی حیاتہ وھذا المحال لم ینشا الا من تسلیم استغراق الرسل فی الآیۃ الاولی فیکون محالا لان ما یلزم منہ المحال محال البتۃ فاذا لم یثبت اندراج المسیح علیہ السلام تحت الاکبر الموقوف علی تسلیم الاستغراق المستلزم للمحذور والمحال الشرعی لم تصدق النتیجۃ فی استدلالہم العاطل اللاطائل والآیۃ الثانیۃ تدل دلالۃ صریحۃ علی حیوۃ المسیح بن مریم حین نزولہا اذ لو کان من المتیتین فی ذالک الحین لقال تعالیٰ

انکی کم علمی سے پوشیدہ ہو۔ اس سے علاوہ ادر لیجیئے کہ اگر مان لیں کہ وہ آیت جس کا مفاد یہ ہے کہ نہیں ہے حضرت صلعم مگر خداوند تعالےٰ کا رسول بلاشبہ آپسے پہلے پیغمبر گذرے اور گئے" اسپر دلالت کرتی ہے کہ آپکے ماسوا جتنے رسول تھے وہ سب مرگئے ہیں تو اس صورت میں وہ آیت جسکا معنے یہ ہے کہ "نہیں مسیح ابن مریم مگر خداوند تعالےٰ کا رسول بلاشبہ انسے پہلے پیغمبر گذرے" چاہیئے کہ اسپر دلالت کرے کہ مسیح علیہ السلام کے سوا جتنے رسول ہیں سب مرگئے ہیں" حالانکہ یہ غلط ہے اسوا سطے کہ مسیح علیہ السلام کے ماسوا رسولوں میں ہمارے سردار فخر موجودات علیہ الصلوۃ والتسلیمات بھی داخل ہیں تو اس سے لازم آویگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس آیت کے اترنے سے پہلے مرگئے ہوں اور یہ صریح جھوٹ ہے اسلئے کہ یہ آیت انکی حیات میں نازل ہوئی ہے۔ لہذا الف لام کا استغراقی لے لینا ہی محال ہوا وجہ یہ ہے کہ جسکے مان لینے سے کوئی محال لازم آوے اُسکا ماننا ہی محال ہوتا ہے اسواسطے یہ نتیجہ کہ مسیح مرگئے ہیں" صادق نہیں ہے ا جی اسکا صدق اسصورت میں تھا کہ اگر مسیح اکبر میں مندرج ہوتے لیکن وہ تو مندرج نہیں ہیں سبب یہ ہے کہ انکا اندراج الف لام کے استغراقی ہونے پر موقوف ہے اور وہ خود ہی باطل ہے۔ پس نتیجہ مذکورہ بھی کاذب ہوا۔ نیز دوسری آیت (جسکا معنے ابھی بیان کیا گیا ہے) صراحۃً مسیح کے (آیت کے نازل ہونیکے وقت) زندہ ہونے پر دلالت کرتی ہے دیکھو اگر مسیح اس آیت کے نازل ہونے کے وقت اموات میں داخل ہوتے تو خداوند تعالےٰ کا یوں فرمانا چاہیئے تھا کہ

علی مطلوبہ بقولہ تعالیٰ وما جعلناہم جسداً لا یاکلون الطعام وما کانوا خالدین وتھذیب استدلالہ انہ لو کان المسیح علیہ السلام حیاً فی السماء لزم کونہ جسداً لا یاکل الطعام وکونہ خالداً وقد نفی اللہ تعالیٰ ذالک فان مفاد الآیۃ سلب کلی ای لا شیٔ من الرسل بجسد لا یاکل ولا احد منہم بخالد ومن المقرر ان تحقق الحکم الشخصی مناقض للسلب الکلی والدلیل علی کون المفاد سلباً کلیاً قولہ تبارک وتعالیٰ وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد افان مت فہم الخالدون فانہ صریح فی السلب الکلی فاذا ثبت الرفع والسلب کلیاً بالنص ارتفع الحکم الشخصی المستلزم للایجاب الجزئی المناقض لذالک السلب المدلول بالنص فان احد المتناقضین لا یجامع النقیض الآخر کما لا یرتفع معہ وھذا بدیھی اقول بتوفیق اللہ وحسن توفیقہ ان فی قولہ تعالیٰ وما جعلناہم جسداً الخ انما ورد النفی علی الجعل المؤلف المتخلل بین المفعولین ومفعولہ الثانی المجعول الیہ ھو قولہ جسداً لا یاکلون الخ فمدخول

کہ "نہیں بنایا ہمنے پیغمبروں کو ایسے بدنوں کو کہ وہ کہانے پینے کیطرف محتاج نہوں اور نہ ہمیشہ رہنے والے"۔ لیکن ہم پہلے اسکے استدلال کی اصلاح کرینگے اور پہر جواب دینگے۔ کادیانی کا استدلال "کہ اگر مسیح علیہ السلام آسمان پر زندہ بھی مان لئے جاویں تو بالضرور کہنا پڑیگا کہ وہ ایسے بنائے گئے ہیں کہ وہ طعام کیطرف محتاج نہیں ہیں۔ ہمیشہ زندہ رہنے والے ہیں حالانکہ خداوند تعالیٰ نے آیت میں ان دونوں باتوں کے برخلاف ارشاد فرمایا ہے۔ کیونکہ ماحصل آیت کا یہہ ہے کہ نہیں کوئی ایک جسد رسولوں کے اجساد میں سے کہ وہ طعام کا محتاج نہو۔ نہیں کوئی ایک بھی انمیں سے کہ ہمیشہ زندہ رہے۔ ظاہر ہے کہ مسیح علیہ السلام کا اب تک زندہ ہونا جو گویا خلود سے عبارت ہے۔ انکے حق میں کہنا کہ وہ وہاں پر کہانے پینے سے فارغ ہیں"۔ یہہ ایک ایسا حکم ہے کہ صراحۃً اس سالبہ کلیہ (نہیں کوئی جسد الخ) سے مخالف ہے۔ اس سلب کلی پر یہہ دلیل ہے کہ خداوند تعالیٰ ایک آیت میں فرماتا ہے کہ یا رسول اللہ ہمنے آپسے پہلے کسی آدمی کو ہمیشگی نہیں دی ہے کیا اگر آپ مرجائینگے تو وہ (کافر) ہمیشہ زندہ رہینگے۔ پس اس آیت سے صاف سلب کلی ثابت ہوا"۔ اس تقریر سے یہہ بھی لازم آیا ہے کہ یہہ موجبہ جزئیہ (کہ بعض آدمی جیسے کہ مسیح فلانے وقت سے اب تک یا فلان وقت زندہ ہے) باطل ہو۔ سببیہ ہے کہ یہہ اُس سالبہ کلیہ کی نقیض ہے۔ قاعدہ ہے کہ جب ایک شئے متحقق ہو تو اسکی نقیض کاذب اور غیر متحقق ہو ورنہ اجتماع النقیضین لازم آویگا حالانکہ یہہ باطل ہے جیسا کہ دونوں نقیضوں کا متحقق نہونا باطل ہے الجواب کہ آیت مذکورہ میں جو حرف نفی (ما) کا وارد ہوا ہے

كما تخيل وتخيلتا والتزم الاختلاف بين هذين القولين جل قائلهما والقول بوقوع
الاختلاف في القرآن حكم بوقوع ما حكم الله بامتناعه وهذا كفر قال الله عز وجل
ومن لم يحكم بما انزل الله فأولئك هم الكافرون والدال على امتناع الاختلاف
في القرآن قوله تعالى ولو كان من عند غير الله لوجدوا فيه اختلافا كثيرا
فبطلت ارادة استغراق الرسل وعمومه والدليل على ان الحيوة والموت
مختلفان ان الموت ان فسر بعدم الحس والحركة عما من شانه كلاهما فيقابل الحيوة
بتقابل العدم والملكة وان بانحياز الروح عن البدن وهو الحق الثابت بالنصوص
الشرعية والنصوص العقلية فبينهما تضاد وكل منهما اختلاف فاستقر على عرش
التحقيق ما قلنا من حيوة المسيح عليه السلام في الازمنة الماضية وموته فيما ياتي وهذا
ما ذهب اليه الاسلاميون باجمعهم بخلاف النصارى القائلين بوقوع موته ثم
احيائه ورفعه بجسده وبخلاف من هم اسوء حالا واشوم مالا وهم الكائد الكادياني
والمكيدون القائلون بوقوع موته وبعدم رفعه بجسده ثم استدل الكائد الكادياني

بداہتہ قرآن میں تخالف اور تعارض پایا جاوے گا۔ حالانکہ ایسے امر کا قائل کافر ہے۔ اس لئے
ماننا پڑے گا کہ الرسل کا الف لام استغراقی نہیں ہے۔ شاید اس موقعہ پر کوئی شخص یہ کہدے
کہ چونکہ موت اور حیات آپسمیں مخالفت نہیں رکھتی ہیں تو اگر ایک آیت سے زندگی۔ دوسری آیت
سے موت مراد رکھ لیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ سو واضح رہے کہ یہ بات مضحکہ بچہ وصبیان ہے
سبب یہ ہے۔ کہ اگر موت کا معنے اس چیز کا حساس ہونا کہ اسکی شان سے حساس ہونا ہے" مقصود
ہے تو موت وحیات میں بطور تقابل عدم وملکہ کے تخالف ہوگا۔ اگر موت کا معنے بدن سے روح کا جدا
ہونا ہے" چنانچہ یہی نصوص شرعیہ عقلیہ سے ثابت ہے پس موت وحیات میں تضاد ہوگا اور ہر صورت
دو تو میں مخالفت پائی جاویگی۔ لہذا مسیح علیہ السلام کا زمانہ ماضی میں نہ مرنا اور آیندہ میں انکی موت کا وقع
ہونا ثابت ہوا۔ اور یہی تمام معتبر اہل اسلام کا عقیدہ ہے۔ البتہ نصاری اور کادیانی اس رائے میں مخالف
ہیں۔ نصاری تو کہتے ہیں کہ مسیح مر کر زندہ ہوا اور آسمان پر چڑہا۔ کادیانی کہتے ہیں کہ مسیح مر گئے اور آسمان پر
بجسدہ نہیں چڑہ گئے" پہر کادیانی مسیح ع کے مرجانے پر اور آیت کو پیش کرتے ہیں اسکا مضمون یہ ہے کہ

ومراد بقوله تعالیٰ وما جعلناهم جسدًا وتحقق ما عدا ذلك القيد مسلم بل مثبت
بالبراهين النقلية والعقلية القطعيتين وعدم الاكل الذی هو امر عدمی منصوص نوعيان
بعدم اكل شئ ما اعم من ان يكون طعامًا او غيره وبعدم اكل الطعام خاصة وان وجد
معه اكل غير الطعام وعدم ذلك الانتفاء الذی اضيف الی الامر العدمی انما يتحقق بتحقق
نقيض ما اضيف اليه الانتفاء فيستلزم انتفاء ذلك العدم الذی هو فی قوة السالبة ثبوت
الاكل الذی هو فی قوة الموجبة المحصلة اذ عموم الاولى من الثانية انما هو بامكان تحققها
بعدم الموضوع وبعدم امكان تحققها بدون عدمه لضرورة استدعائها وجود الموضوع
ومن البديهيات ان الموضوع فيما نحن فيه موجود وقد تقرر فی مدارك العقلاء ان لازم
ايجاب السالبة السالبة هو ايجاب الموجبة المحصلة عند وجود الموضوع فلزم من قوله تعالیٰ وما
جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ الذی هو بمنزلة السالبة السالبة تحقق قضية موجبة
محصلة اعنی كل رسول ياكل الطعام فيقال لمن يدعی به علی اثبات موت المسيح بن مريم

فرض کر لیں تو ہر حال مقید بھی معدوم ہوگا۔ لیکن یہ سب مفروضات صرف ممکن ہی ممکن ہیں واقع ہیں انمیں سے
کوئی بھی متحقق نہیں ہے۔ البتہ انمیں سے عدم الاکل کا منتفی ہونا گو ممکن ہے۔ واقعی بھی ہے۔ ماسوا
اسکے جتنے ہیں انکا واقع میں پایا جانا دلائل عقلیہ ونقلیہ سے ثابت ہے اسلئے انکے عدمات واقعی نہیں
ہیں۔ جب یہ سُن لیا تو اسکا علم بھی ضروری ہے کہ قید عدم الاکل کا پایا جانا دو طرح سے کہ یا کوئی چیز (خواہ
طعام ہو یا اور کچھ ہو) نہ کہائی جاوے یا خاصکر طعام ہی نہ کہایا جاوے۔ اسمیں شبہ نہیں ہے کہ عدم الاکل
کا نہ پایا جانا تب ہی متحقق ہوگا جبکہ کہانا متحقق ہوگا۔ پس عدم الاکل کے نہ پائے جانے کو
جو سالبۃ سالبہ[1] ہے موجبہ محصلہ لازم ہوا اگرچہ یہ ملازمت موضوع کے موجود ہونے ہی ہوتی ہے
لیکن یہاں تو موضوع (انبیا علیہم السلام) امر واقعی ہے۔ پہر کیا دونوں متحقق نہیں ہونگے ضرور ہونگے۔ بہر حال ضرور
ضرور تسلیم کرنا پڑیگا کہ آیت مذکورہ (وَمَا جَعَلْنٰهُمْ) سے جو سالبہ سالبہ ہے قضیہ موجبہ محصلہ لازم آتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر
رسول طعام کہاتا ہے۔ اپکا دیانی سے مستفسر کہ اس قضیہ موجبہ میں اکل اور کہانا جو ہر رسول کو ثابت ہے۔ تو

[1] کہتے ہیں زید نے طعام نہیں کہایا ہے" یہ سالبہ جب اسپر اور نفی داخل کریں گے تو یوں کہیں گے کہ ایسا
نہیں ہے تو صریح لازم آویگا کہ زید نے طعام کہایا ہے غرضکہ جہاں ایسی پرنفی داخل ہو وہ سالبہ سالبہ ہے جہاں
زید کے لئے کہانا ثابت کیا گیا ہو وہ موجبہ محصلہ کہلاویگا ۱۲ مترجم

النفی هو الجعل المقید بهذه القیود وظاهر ان المقید ولو بالف قید لا یتصور تحققه الا بتحقق کل من تلك القیود والقیود التی ههنا هی تالیف الجعل وکون المجعول الیه جسدًا مع تقییده بعدم اکل الطعام فلا بد لتحقق هذا المقید من تحقق تلك القیود الثلثة بخلاف الانتفاء فانه متصور بانتفاء جزء ای جزء کان ولا یتوقف علی انتفاء جمیع الاجزاء فینتفی ذلك المدخول للنفی بوقوع غیر الجعل موقعه وبانتفاء تالیفه بان یتعلق الجعل المفرد باحد المفعولین اما بالاول فقط واما بالثانی فحسب وبرفع خصوص المجعول الیه ووضع امر اخر فی محله وبانتفاء قید عدم الاکل ولو سلم تحقق کل قید ماعداه فرض انتفائه وبانتفاء مجموع القیود بمعنی انتفاء کل قید وبانتفاء المقید اعنی ذاتا ما مع تسلیم القیود باسرها فهذه المواد والمواقع لیست الا بالامکان لا بالفعل والاطلاق الا رفع القید الاخیر فانه واقع بالفعل

وہ تو جعل بسیط پر وارد نہیں ہوا ہے بلکہ جعل مؤلف پر جسکے لوازم سے ہے کہ وہ دو مفعولوں کے درمیان پایا جاوے ایک کا نام مجعول (بنایا گیا) دوسرے کا نام مجعول الیہ (جو کچھ بنایا گیا ہو) ہے دیکھو اس آیت میں انبیا مجعول اور جسد جو بغیر طعام کے قاسم ہوتا ہے مجعول الیہ ہے۔ پس یہاں پر نفی ایسے جعل اور بنانے پر وارد ہوئی ہے جو مقید ہے۔ پر یہ بھی ہے کہ مقید گو اسکے ساتھ ہزار قیدیں لگی ہوں تبتک نہیں پایا جاتا جبتک کہ ہر ایک قید نہ پائی جاوے۔ اب یہاں تو تین قیدیں ہیں۔ ایک جعل کا مرکب ہونا۔ دوم جسد کا مجعول الیہ ہونا۔ سوم عدم الاکل کی قید۔ لہذا یہ جعل جو ان قیود سے مقید ہے جب ہی متحقق ہوگا کہ یہ سب قیود پائے جاویں البتہ کسی مرکب چیز کا معدوم ہو جانا اسکے تمام اجزا کے نابود ہو جانے پر موقوف نہیں بلکہ اسمیں اگر ایک چیز بھی نابود ہو جاوے تو اس چیز کا عدم پایا گیا + اس سے یہ بھی سمجھا ہوگا کہ اگر بجائے جعل مؤلف کے جو مقید ہے اور ہی چیز فرض کیجائے یا اسکا مرکب ہونا اڑا دیں بایں طور کہ صرف پہلے مفعول کے ساتھ یا دوسرے کے ساتھ فقط متعلق ہونا مان لیں یا جسد کے مقام پر اور ہی کوئی مفعول قرار دیں۔ یا تمام قیود کا تحقق مان لیں مگر عدم الاکل یا تمام قیود یا مطلق شئے کا (با وجود ماننے تمام قیود کے) نابود ہونا

له جعل کے بارہ میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ بسیط ہے انکا مذہب ہے کہ خداوند تعالے نے سب چیزوں کی ماہیتوں کو درحقیقت بنایا ہے اور وجود تبعیت کے طور پر خود بخود ہی عارض ہوا ہے۔ مثال لوہار تلوار کو بناتا ہے اور تیزی خود بخود موجود ہو جاتی ہے بعض کہتے ہیں کہ نہیں بلکہ بنانے کے یہ معنی ہیں کہ خداوند تعالی ماہیات کو موجود کر دیتا ہے۔ پس بریں تقدیر جعل اور بنانے کے لئے دو مفعولوں کا ہونا ضروری ہے۔ لیکن یہ بھی یاد رہے کہ جہاں پر حضرت مصنف علام مدظلہم نے جعل مؤلف فرما دیا ہے وہ ہرگز جعل بسیط نہیں ہے فتدبر ۱۲ مترجم

والجوع لما لم يكن واجبًا في وقت ما لم يكن المشروط به ضروريًا في وقت ما كما صرح
به في كتب المنطق من ان الكتابة ليست بضرورية في حين من الاحيان فما ظنك
بالمشروط بها والضرورة بشرط الشيء غير الضرورة في وقت ذلك الشيء والاول
لا يستلزم الثاني كما في تحرك الاصابع بشرط الكتابة فان التحرك بشرطها ضروري
وليس في وقتها بضروري فكذلك ضرورة الاكل بشرط الجوع امر وضرورته في
وقت الجوع امر آخر لا تلازم بينهما فضلًا عن الاتحاد فاذا لم يكن الاكل ضروريًا في
وقت ما لم تكن القضية وقتية مطلقة ولا منتشرة مطلقة فلم تكن وقتية ولا منتشرة
لاستيجابها انتفاء الاعم انتفاء الاخص وكون الاكل ضروريًا بشرط الجوع لا يقتضي
ان تكون القضية مشروطة ايضًا اذ المشروطة ما يوجد فيه الضرورة بشرط الوصف
العنواني لا بشرط اي وصف كان ومن الظاهر ان الوصف العنواني في القضية انما هو

لیکن یہ تو ظاہر ہے کہ بھوک خود ضروری الوجود نہیں ہے۔ پھر طعام کا کھانا جو اس کا مشروط ہے وہ
کیسے ضروری ہوگا۔ کیا دیکھتے نہیں کہ جب کہدیں کہ زید کی انگلیاں لکھنے کی حالت میں متحرک ہیں۔
آہیں لکھنا چونکہ خود کسی وقت میں ضروری الثبوت نہیں ہے۔ تو جس کے لئے یہ شرط ہے وہ بھی کتابت
کے وقت میں ضروری نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ کتابت چونکہ کسی وقت ضروری نہیں ہے اور منجملہ اوقات وہ
وقت بھی ہے جس میں کتابت متحقق ہے۔ پس وہ جب آپ ہی اس وقت میں ضروری نہیں ہے تو انگلیوں کا
ہلنا کتابت کے وقت میں کیسے ضروری ہوگا۔ ویسے کھانا گو بشرط الجوع (بھوک) ضروری ہے مگر بھوک کے
وقت میں ضروری نہیں جیسا کہ ابھی ہم بیان کر آئے ہیں۔ شاید کہو گے کہ جب یہ مانا گیا کہ طعام کا کھانا
بشرطیکہ بھوک لگی ہو ضروری ہے تو یہ قول جسے قضیہ مشروطہ کہتے ہیں صادق آویگا کہ "ہر رسول کے
لئے بشرط الجوع طعام کا کھانا ضروری ہے" حالانکہ تمہارے واسطے مضر ہے۔ تو واضح رہے کہ
مشروطہ ہرگز صادق نہیں آویگا۔ سبب یہ ہے کہ یہ مشروطہ نہیں بن سکتا۔ کیا معلوم نہیں ہے
کہ مشروطہ میں یہ بات لازمی ہے کہ ضرورت بشرط اسی عنوان اور وصف کے ہو کہ جس کے
ذریعہ سے موصوف پر حکم لگایا گیا ہو۔ یہ ظاہر ہے کہ قضیہ مذکورہ میں وصف اور عنوان رسول
کا لفظ ہے

ان نسبة الاكل لكل رسول فى هٰذه القضية هل هى بالضرورة بحسب الذات او
بحسب الوصف او فى وقت ما او فى وقت معين او بحسب الدوام ذاتا او وصفا او
بالاطلاق او بالامكان مع قيد اللادوام فى ماعدا الاول والخامس ومع قيد اللاضرورة
فى ماعدا الاول فقط على رأى او فى ماعدا الخامس ايضا كما على راى آخرون لم يكن بعض
التراكيب منها متعارفا او لا يعتبر قيد اللاضرورة ولا قيد اللادوام الاول والخامس
بديهى البطلان لوجود نقيض كل منها وهو امكان عدم الاكل للاول واطلاقه للخامس
وكذا الثانى والسادس لعدم مدخلية وصف الرسالة فى ضرورة الاكل او دوامه كما
لا مدخل فيهما لعنوان ذلك الوصف وكذا لا تكون ضرورية بحسب الوقت مطلقا
لا بحسب وقت ما ولا بحسب وقت معين لان غاية الامران يكون الاكل ضروريا بشرط الجوع

یہ اکھے لئے انکی ذات کیطرف نظر کرکے ضروری الثبوت ہے یا باعتبار کسی وصف کے یا ضروری الثبوت
غیر معین یا معین وقت میں ہے۔ یا یہ کہ وہ ذات کی اعتبار سے یا وصف کی جہت سے دائمی الثبوت
ہے یا تینوں زمانوں میں سے کسی زمانہ میں ثابت ہو۔ یا یوں کہو کہ اس کا ثبوت انکے لئے ممکن ہے
خواہ مع قید اللادوام جیساکہ اول اور پانچویں کے ماسوا میں۔ خواہ مع قید اللاضرورۃ جیسا
کہ اول کے ماسوا میں بنابر ایک رائے کے یا پانچویں کے ماسوا میں بھی عند البعض یا لاضرورۃ و لادوام
کی قید کہیں بھی تسلیم نکریں۔ بہرحال پر ظاہر ہے کہ ضروریہ (یعنے ہر رسول کیذات کو طعام کا کھانا بالضرورۃ
ثابت ہے) اور دائمہ (یعنی ہر رسول کے لئے اکل الطعام دائمًا ثابت ہے) باطل ہے کیونکہ ضروریہ مطلقہ کی نقیض
جو ممکنہ عامہ ہے متحقق ہے۔ پس لازم ہوا کہ ضروریہ باطل ہو ورنہ اجتماع النقیضین پایا جاویگا اسیطرح پر دائمہ
کی نقیض مطلقہ عامہ متحقق ہے۔ چنانچہ کہہ دیں کہ بعض اوقات میں رسول طعام نہیں کہاتے ہیں۔ اب اس
مطلقہ عامہ کو کون باطل کہہ سکتا ہے۔ یہ تو صریح صادق ہے۔ اسلئے دائمہ کاذب ہوا نہیں تو ویسے ہی
اجتماع النقیضین لازم اویگا جیساکہ گذرا۔ ایسا ہی دوسرا اور چھٹا باطل ہے اسواسطے کہ وصف رسالت ہرگز
ضرورت یا دوام اکل کو نہیں چاہتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اکل الطعام رسول کیواسطے مطلق وقت
میں کوئی وقت ہو اور خاص ایک وقت میں ضروری الثبوت نہیں ہے۔ آخر بھی تو کہو گے کہ
اکل الطعام بشرطیکہ بھوک متحقق ہو ضروری ہے۔

وانتفاء الطبيعة يدل ما يتخلل منه ذلك فرع التخلل ولا ارتياب في تنوع مراتب التخلل
باختلاف الاسباب الداخلية والخارجية ولا تحديد لمراتبه فالتخلل الذي في مرتبة
ناقصة غير التخلل الذي فوقه يجوز سلب كل منهما عن الاخر وكذلك يقال في جميع
مراتبه ان كل مرتبة عينتها فهي مسلوبة عما تحتها وعما فوقها من المراتب وهما مسلوبات
عنها فهذا حكم اجمالي على كل مرتبة بامكان سلبها عن جميع المراتب الاخر كامكان سلب
المراتب الاخر عن تلك المرتبة وهذا فرع امكان السلب في نفس الامر اذ سلب مرتبة معينة
في مرتبة اخرى سلب مقيد والسلب في نفس الامر اعم من ان يكون ذلك السلب مقيدًا
بكونه في مرتبة اخرى او لا سلب مطلق ولا ريب في ان امكان المقيد فرع امكان المطلق ومتأخر
عنه واذا كان الامر كذلك امكن سلب التخلل راسًا فامكن انتفاء الجميع اصلا مع بقاء الشخص

یہ جو ہم بیان کر آئے ہیں کہ جسم کو ضروری الثبوت نہیں ہے سو اسکی دلیل یہ ہے کہ درونی اور بیرونی اسباب کے
سبب اجزا گھٹتے ہیں۔ انکے قائم مقام اجزا کے چاہئے کو جسم کو گھٹتے ہیں۔ پس جیسا گھٹنا متحقق ہوگا
تو کبھو کبھی متحقق ہوگی۔ سو یہی ہے کہ جب تخلل بیچ گھٹنے کے اسباب مختلف ہونگے تو بالضرور تخلل کے
درجے بھی مختلف ہو جاینگے۔ مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ تخلل کے درجے بے شمار ہیں۔ پس نظر اس کے کہیں ادنی اور
کہیں اعلی ہوگا ایک دوسرے سے سلب کیا جا سکتا ہے اور کہہ سکتے ہیں کہ ادنی تخلل اعلی تخلل نہیں ہے۔ اور اعلی
ادنی نہیں غرضکہ جس مرتبہ اور درجہ کو مد نظر رکھیں اس سے جو ادنی ہے یا اعلی اُسے اس مرتبہ معینہ سے
مسلوب کرنا جائز ہے ویسی ہی ان دونوں کو اس معین درجے سے رفع کر سکتے ہیں تو گویا اجمالاً حکم لگایا گیا
ہے کہ ہر درجہ اپنے ماسوا سے جانب سے مسلوب ہونا ممکن ہے جیسا کہ باقی درجات کا سلب اس درجہ معین سے ممکن
ہے۔ اب یہ معلوم ہو گیا کہ یہ سلب مقید ہی ہے جب یہ ممکن ہوا تو صاف ثابت ہوا کہ واقع میں بھی سلب ممکن ہے کیونکہ
وہ مطلق ہے اور مقید بغیر امکان مطلق کے ممکن نہیں ہو سکتا۔ یہی بات کہ جو سلب واقع میں ہو وہ کیوں مطلق ہو
اسکی وجہ یہ ہے کہ سلب واقعی میں کسی درجہ میں متحقق ہونیکا لحاظ نہیں ہے لیکن سلب کے ممکن ہونیسے یہ لازم آیا کہ تخلل
کا سر سے ہی مسلوب ہونا ممکن ہو کیونکہ نفس تخلل کا سلب ہی مطلق سلب ہے۔ اسی طرح تخلل کا سر سے ہی مسلوب
ہونا ممکن ہوا پس جسم کا سلب بھی سر سے ممکن ٹھہرا۔ لہذا ثابت ہوا کہ جسم کو خود ضروری الثبوت نہیں ہے
جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے تھے ہاں یہ گمان نکرنا چاہئے کہ تخلل کا سلب ممکن ہی ممکن ہے نہیں بلکہ

وصف الرسالة دون وصف الجوع فلم يبق الا ان يكون بالاطلاق او الامكان مع قيد اللادوام او اللاضرورة او بدونه والاول من كل منهما متعين بدليل قوله تعالى وما ارسلنا قبلك من المرسلين الا انهم ليأكلون الطعام ويمشون في الاسواق فيكون وجودية احد جزئيها ثابت بهذه الآية وثانيهما بما مر [۲] من البيان وهي وان كانت مستلزمة لما عداها لكنها لكونها اخص احق بالاعتبار وينحل الى قولنا كل رسول يأكل الطعام بالفعل ولا شيء من الرسول يأكل الطعام بالفعل وهذه القضية لا تناقض ما ذهب اليه الاسلاميون لانه يصدق قولنا المسيح بن مريم آكل للطعام بالفعل وليس يأكل بالفعل وما قررنا قبل من ان الجوع ليس بضروري لان الجوع خلو الباطن

نہ سمجھو کہ کا پھر کہو کہ صورت مذکورہ میں وہ کیسا مشروط بن سکتا ہے۔ بنا بریں ماننا پڑیگا کہ قضیہ مذکورہ مطلقہ[۱] یا ممکنہ عامہ ہے خواہ لادوام ولاضرورۃ کی قید لگا دیں یا نہ۔ ہاں مطلقہ اور ممکنہ عامہ میں آیت سے مستفاد ہے جسکا یہ مضمون ہے کہ "یا رسول اکرمؐ آپ سے پہلے جتنے رسول تھے وہ طعام کہاتے۔ بازاروں میں چلتے پھرتے بھی تھے" کیونکہ اس آیت کا حاصل یہی ہے کہ وہ رسول کسی نہ کسی زمانہ میں کہاتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔ نہ یہ کہ ہر ہر وقت میں جیساکہ ہر ہر وقت میں چلتے پھرتے نہیں تھے اور یہی مطلقہ عامہ ہے ایسا ہی طعام کے کہانیکا انکے لئے امکان ثابت ہوا۔ پس جبکہ اس مطلقہ اور ممکنہ کو لادوام کی قید لگا دیں گے۔ تو یہ قضیہ وجودیہ[۲] ایسا ہوا۔ کہ اسکی پہلی جز آیت مذکورہ سے ثابت ہوئی اور دوسری یعنی لادوام کا مفہوم" ہماری سابق تقریر سے پایۂ ثبوت تک پہونچی۔ البتہ اس وجودیہ کو نسبت اسکے کہ یہ ایک مقید اور خاص چیز ہے ضرویہ وغیرہ لازم ہیں لیکن چونکہ یہ خاص ہے اور خاص زیادہ تر قابل اعتبار ہوتا ہے تو وجودیہ ہی معتبر ٹھہریگا۔ اسلئے مطلب اسکی دو جز لیکر قضیہ بنا کر پھر دیکھینگے کہ وہ اسلامیوں کے عقیدہ سے مخالف ہے یا نہ۔ دیکھو ہر رسول بعض اوقات میں طعام کہاتے ہیں اور کوئی رسول بعض اوقات میں طعام نہیں کہاتا۔ اب غور سے دیکھو کہ یہ قضیہ ہرگز عقیدہ اسلامی سے مخالفت نہیں رکھتا ہے کیونکہ یہ قضیہ کہ مسیح بعض اوقات میں طعام کہاتے تھے اور بعض اوقات میں نہیں کہاتے تھے صادق ہے۔ آچہا صاحب

[۱] مطلقہ عامہ اس قضیہ کو کہتے ہیں کہ جسمیں محکوم علیہ پر محکوم بہ کے ساتھ تین زمانوں میں کسی زمانہ میں حکم لگایا گیا ہو۔ جیساکہ کہدیں زید کسی زمانہ میں کاتب ہے۔ ممکنہ عامہ وہ ہے جہاں جانب مخالف کی ضرورت سلب کر دی گئی ہو۔ چنانچہ کہیں زید بالامکان عالم ہے یعنی زید کا عالم ہونا ضروری نہیں ہے۔ پس قضیہ مذکورہ یوں ہوگا۔ کہ ہر رسول کے لئے طعام کا کہانا جائز ہے نہ کہانا ضروری نہیں یہ ہے ممکنہ ہوا۔ ہر رسول کسی زمانہ میں طعام کہاتا ہے" یہ مطلقہ عامہ ہوا ۱۲ صلح مترجم

[illegible] ۱۲۱ مترجم

الجوع اذ كما ان الفواكه في الدنيا لا توكل الا لحصول اللذة لا لدفع الجوع كذا طعام
الجنة ولا افتقار اليه لحصول بدل التحلل ودفع الجوع بل لا جوع ولا تحلل وانما يكون
اكله لحصول اللذة فقط فان لم تقتنع بما قلنا فطالع التيسير والوجيز وكيف لا مع انه
قد تاكد وتايد بما صح ان في الجنة بابا يقال له الريان من دخل شرب ومن شرب لا يظما
ابدا ولا فرق بين الجوع والظما فكما لا امتناع في عدم التعطش لا امتناع في عدم الجوع
ولا يرد على ما قلنا من انه اذا امكن سلب التحلل امكن انتفاء الجوع انه احتجاج بلا دليل
اذ انتفاء العلة لا يستلزم انتفاء المعلول بدليل ما تقرر عند الاصوليين من جواز تعدد
العلل على معلول واحد فلا يلزم انتفاء المعلول بانتفاء واحد منها لجواز تحققه بتحقق علة
اخرى منها كعدم صحة الاحتجاج على الحكم بان زيدا لم يمت بانتفاء واحد من علل الموت
كما يقال لانه لم يسقط من اعلى الجبل فهذا الاستدلال غير صحيح اذ الموت كما يتحقق بالسقوط

بھوک کا اسمیں متحقق ہونا لازم نہیں آیا ہے۔ اسواسطے کہ یہ ایسا ہے جیسا کہ دنیا میں میوہ جات محض لذت کے
لئے کہائے جاتے ہیں نہ بھوک کے لئے ویسے ہی بہشت میں جو طعام کہانے کی حاجت ونیز بہی ہے
اور کہایا جائیگا وہ تو صرف لذت کے واسطے ہے۔ اسپر بہی اگر آپ مخالف قانع نہیں تو تفسیر تیسیر اور وجیز
کا مطالعہ کریں ایسا کیوں نہ ہو کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ بہشت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ
کا نام ریان ہے اسمیں جو داخل ہوگا پئیگا اور جو پئے گا پھر کبھی اسکو پیاس نہیں لگے گی۔ ظاہر ہے کہ
پیاس اور بھوک میں کچھ فرق نہیں ہے پس جیسا کہ پیاس کا نہ ہونا ممکن ہوا اسیطرح پر بھوک کا نہونا بہی جائز
ٹھہرا۔ سوال یہ جو تمنے کہا ہے کہ جب تحلل کا سلب ممکن ہوا تو بھوک کا عدم بھی ممکن ٹھہرا۔ یہ تو ایسی ہی
بات ہے کہ اسپر کوئی دلیل نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ علت کے نہ پائے جانے سے معلول کا نہ پایا جانا لازم
نہیں ہوتا۔ پھر کیسے آپ کہتے ہیں کہ تحلل کے غیر متحقق ہونے سے بھوک کا غیر متحقق ہونا پایا گیا ہے۔
کیوں درست نہیں کہ بھوک کے لئے اور ہی کوئی علت ہو۔ جس کے تحقق سے اس کا بہی تحقق
لازم ہو۔ کیا زید کا نہ مرنا اگر یوں ثابت کرنا چاہیں کہ وہ پہاڑ پر سے گر کر نہیں مرا صحیح ہوگا۔
نہیں کیونکہ زید کا مرنا پہاڑ پر سے گرنے سے ہی متحقق ہو سکتا ہے۔
علے ہذا القیاس مرنے کے لئے اور

بل حكم الله تعالى بتحقق انتفاء الجوع في القرآن ولم يكتف بمحض امكانه وقال وعز من
قائل مخاطبا لآدم ان لك الا تجوع فيها ولا تعرى وانك لا تظمؤ فيها ولا تضحى
وليس ذلك الا لعدم التحلل كما ان عدم الضحى لعدم الشمس وحمله على عدم دوام
الجوع او على عدم اشتداده غير صحيح والا لصح حمل جميع الافعال المدخولة بحرف النفي
على نفي دوامها او عدم اشتدادها وامثال هذا لا تصح ولا تستقيم الا لوجود ضرورة
داعية واي ضرورة احوجتنا الى صرف اللفظ عن الظاهر وحمله على غير الظاهر
بحيث لا ينتقل اليه الذهن اصلا والتمسك على وجود تلك الضرورة بقوله وقلنا
يا آدم اسكن انت وزوجك الجنة وكلا منها رغدا حيث شئتما ولا تقربا هذه الشجرة
فتكونا من الظلمين غير مستقيم فان اطلاق الاكل واباحته لا يقتضي

خداوند تعالیٰ کی کلام سے اسکا وقوع بھی ثابت ہے آیت میں خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے آدم تجھکو
بہشت میں نہ بھوک لگیگی اور نہ تم اسمیں برہنہ ہوگے اور نہ تمکو پیاس لگیگی اور نہ تم کبھی چاشت کا
وقت دیکھو گے۔ بھوک کا انکو بہشت میں عارض نہ ہونا اسواسطے تھا کہ وہاں تحلل نہیں تھا جیسا کہ
چاشت کا وقت آفتاب کے نہونے کے سبب نہیں تھا اگر اسکے جواب میں کہینگے کہ اس سے مقصود
یہ ہے کہ ہر وقت میں بھوک نہیں لگیگی یا سخت بھوک نہیں عارض ہوگی۔ سو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ غلط
ہے ورنہ چاہئے جہاں کہیں حرف نفی داخل ہوا ہو وہاں پر ایسا ہی مراد ہو۔ حالانکہ اس قسم کی
تجویز تب تک صحیح نہیں ہے جبتک کہ کوئی ضرورت نہ ہو ۔ پھر یہاں پر کہیئے کہ کونسی ضرورت
درپیش ہے کہ ظاہر معنے کو چھوڑ کر ایک ایسے معنے مراد رکھ لیں کہ اسکی طرف ذہن کا انتقال
کبھی نہیں ہوتا۔ اگر ضرورت یوں ثابت کریں کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے آدم تم اور تمہاری
بی بی بہشت میں رہو اور اسمیں فلانے درخت کے سوا جس درخت کا پھل کھانا چاہو گے کھاؤ
تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ بہشت میں بھی بھوک عارض ہوتی ہے۔ لہذا جہاں پر بھوک کی
نفی کی گئی ہے وہاں سخت بھوک یا دائمی بھوک مراد رکھ لینا چاہئے" سو اس کا
جواب یہ ہے کہ اس آیت میں صرف آدم علیہ الصلوۃ والسلام وحوا کے
لئے بہشت میں کھانا مباح اور جائز کر دیا گیا ہے۔ اور اس سے

لدخول الفاء فيصح الاستدلال على امكان انتفاء الجوع بامكان انتفاء التعلل نعم الجوع
علة للاكل بالمعنى الاخير ولذا لا يلزم من انتفاء الجوع انتفاء الاكل لجواز تحققه
بدونه بعلة غير الجوع كاستحصال اللذة وقصد علاج ونحوه وهذا واضح على من
ادنى تامل واستدل ايضا ببعض هذه الآية وهو قوله تعالى وما كانوا خالدين وبقوله تعالى
وما جعلنا لبشر من قبلك الخلد افائن مت فهم الخالدون وتحرير استدلاله بهما انه لو كان
المسيح عليه السلام حيا لزم ان يكون خالدا وقد نفى الله الخلود عن كل افراد البشر في
هاتين الآيتين وجوابه ان الخلود المنفي في كلتا الآيتين هو الخلود بمعنى دوام الحيوة
في الدنيا لا بمعنى طول العمر لا حقيقة للخلود الا دوام الحيوة كما لا يخفى على من هو ماهر في
معاني اللغة ومفاهيم نظم القرآن قال تعالى في حق اهل الجنة اولئك اصحاب الجنة هم
فيها خالدون وفي حق الكفار اولئك اصحب النار هم فيها خالدون وعلى هذا
فمعنى الآيتين نفي دوام الحيوة في الدنيا لفرد من افراد البشر وهو نقيض الدائمة المطلقة

لدخول الفاء (اسکا معنے وہی ہے جو ابھی گذرا) علت اور سبب ہے کیونکہ کھانا بھوک کے بغیر بھی متحقق
ہوسکتا ہے کیا دیکھتے نہیں کہ لذت یا کسی علاج کے واسطے کبھی کھاتے پیتے ہیں۔ کادیانی استدلال
کو بھی پیش کرتے ہیں کہ خداوند عز اسمہ فرماتا ہے کہ وہ ہمیشہ زندہ رہنے والے نہیں تھے نیز کہ ہمنے
یا رسول اللہ آپ سے پہلے کسی آدمی کو ہمیشگی نہیں دی ہے کیا اگر آپ مر جائیں تو آپکے مخالف ہمیشہ رہینگے"
اس استدلال کی توضیح تقریر اس طرح پر ہے کہ مسیح علیہ السلام اگر ابتک زندہ ہوتے تو انکا ہمیشہ زندہ ہونا
لازم آویگا حالانکہ خداوند تعالے نے صاف فرمایا ہے کہ کسیکو ہمیشگی نہیں ہے" الجواب دونوں
آیتوں میں جو ہمیشگی کی نفی کی گئی ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ طویل العمر بھی نہ بنایا گیا بلکہ در اصل اسکا
معنی تو یہ ہے کہ کوئی ابد الآباد خدا کی طرح زندہ نہیں رہیگا۔ اگر اسے مخالف اسپر آگاہی نہیں ہے تو کتب لغات
مفاہیم قرآن کو غور سے دیکھو دیکھتے نہیں کہ قرآن شریف میں بہشتیوں کے حق میں فرمایا ہے کہ وہ بہشت میں
خالدین اور ہمیشہ رہینگے۔ دوزخیوں کے حق میں ارشاد ہے کہ وہ جہنم میں ہمیشہ رہینگے۔ لہذا دونوں آیتوں میں جو خلود
ہمیشگی مذکور ہے اسکا معنے دوام ہے پس نفی اگر ہے تو دوام کی ہے لا غیر یہ (یعنی نہیں کوئی ایک بھی آدمیوں
میں سے کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے) دائمہ مطلقہ کی نقیض ہے

من اعلى الجبل كذالك يموت اعلى سطح البيت ومن فوق الشجرة الطويلة وبضرب
من السيف والحجر وامثاله ونحو امراض يستصعب احصاءها فبانتفاء واحد منها
كيف يجزم بانتفاء الموت اصلا لامكان تحققه بتحقق واحد آخر من تلك الانواع و
عدم وروده لان التحقيق ان المعلول اذا انحصر في العلة وتكون العلة لازمة له و
هي مفسرة في كتب القوم بما لولاه لامتنع الحكم المعلول فانتفاؤها يستلزم انتفاء المعلول
اذ لا يتصور تعدد العلل بهذا المعنى حتى يمكن عند انتفاء احدهما ثبوته بآخر منها فاذا لم
يجز تعدد العلة وانحصر المعلول الواحد في العلة الواحدة اللازمة له فلو تحقق المعلول
مع ارتفاع العلة بهذا المعنى لزم تحقق الملزوم بدون اللازم فالاستدلال على عدم المعلول
بانتفاء العلة بهذا المعنى استدلال بانتفاء اللازم على انتفاء الملزوم ولا ريب في صحته والتخلل
بالنسبة الى الجوع كذالك لانه المتوقف عليه الجوع بمعنى لولاه لامتنع لا بمعنى الامر المصحح

اسباب بھی ہیں جنکے عارض ہونے سے زید مر سکتا ہے پھر اگر ان اسباب میں سے ایک
سبب نہ پایا جاویگا تو کیا زید کا مرنا جائز نہیں ہوگا بلکہ ہوگا ویسے ہی وہ حکم جو آپ لگا چکے ہیں
صحیح نہیں ہے۔ الجواب علت دو طرح ہے ایک یہ کہ اگر علت متحقق نہ ہو تو معلول ہرگز متحقق نہیں
ہوگا سو اس صورت میں معلول کا اس علت کے بدون پایا جانا ہرگز جائز نہیں کیونکہ بایں معنے
علتیں دو تین نہیں ہو سکیں۔ سلہ پس جبکہ اس علت کا تعدد اور تکثر جائز نہیں ہے تو معلول اسی میں
منحصر ہوگا اور علت اسکو لازم ہوگی اسلئے کہ اگر معلول اس علت کے بغیر پایا جاویگا تو ملزوم کا لازم کے
بغیر پایا جانا متحقق ہوگا حالانکہ یہ باطل ہے لہذا ہمارا یہ قول کہ بھوک نہیں ہے کیونکہ تخلل نہیں ہے
صحیح ہوا کیونکہ تخلل بایں معنے کہ وہ اگر نہ متحقق ہو تو بھوک بھی متحقق نہیں ہوگی، بھوک کے لئے علت ہے۔
تخلل بھوک کے واسطے علت بایں معنی نہیں ہے کہ وہ جس وقت پایا جاویگا تو بھوک بھی متحقق ہوگی (لفظ دیگر)
(اذا وجد فوجد) اسلئے یہ استدلال کہ بھوک کا غیر متحقق ہونا ممکن ہے کیونکہ تخلل کا عدم جائز ہے، درست ہوگا۔

البتہ بھوک لگانے کے واسطے یعنی مصحح

سلہ کیونکہ پھر ایسا ہے یہ عبارت کہ "اگر وہ نہ ہو تو معلول ہی نہیں ہوگا" ہرگز صادق نہیں آئیگی بلکہ پھر تو یوں کہنا پڑیگا کہ اس
علت کے غیر متحقق ہونے کی حالت میں معلول متحقق ہو سکتا ہے ۱۲ مترجم

ملک اس قسم کی علت کو مصحح لدخول الفاء کہتے ہیں جیسا کہ خاص رکن اور تہم جہت کے لئے علت ہو کہا جاتا ہے کہ اگر یہ
خاص رکن ہونگے تو جہت قائم رہیگی۔ اگر انکے قائم مقام اور تہم بھی رکھ جائیں تو بھی قائم رہیگی ۱۲ مترجم

عن نفسه في الموضع له غير جائز اذ ليس العمر محدودا حتى يصح حمله عليه والقول
بان العمر الطبيعي مائة وعشرون قول مشهور لا يوجد عليه دليل لا نقلي ولا عقلي
والمشاهدة شاهدة على خلافه والقول به مخالف لوجود الذين تجاوزوا عن مائة
وعشرين في السلف والخلف ولولا خوف الاطالة لاوردت بعضها استغربت
الا ترى انه قد صرح محققوا الاطباء بعدم وجود الدليل على هذا القول المشهور
وكذا لم يوجد دليل شرعي عليه بل ورد الدليل على خلافه قال تعالى في حق نوح فلبث
فيهم الف سنة الا خمسين عاما فحمله على ما حمله الكاتب يفضي الى التناقض
بين الآيتين وبين قوله تعالى [illegible] في نوح عليه السلام فمثل هذا الا سفاهة
وجهالة وزندقة وضلالة اعاذنا الله تعالى من سفاهة السفهاء وجهل الجهلاء وادخلنا
في زمرة العلماء العاملين وجعلنا من الأئمة المتقين الهادين المهديين بجاه خير النبيين

روکتا ہوتا یا پایا جاتا ہے لیکن قرینہ تو موجود نہیں ہے البتہ اگر عمر کے واسطے کوئی معین حد ہوتی
تو بیشک یہ قرینہ تھا. مگر وہ بھی معین نہیں ہے بجز اس کے یہ بات ہے کہ عمر طبعی ایک سو بیس برس ہے علاوہ
ہو جاتی ہے تو ایک مشہور بات تحقیق سے خالی ہے اس پر نہ تو نقلی نہ عقلی دلیل ہے نیز مشاہدہ کے
برخلاف ہے کئی لوگ ایسے پائے گئے ہیں اور پائے جاتے ہیں جو اس عمر سے تجاوز ہو کر بھی
ہیں. خود اطباء نے بھی تصریح کی ہے کہ اس مشہور بات پر کوئی بھی دلیل نہیں ہے خاصکر
شرعیہ نہیں ہے بلکہ صاف صاف ثابت ہے کہ یہ عمر طبعی نہیں ہے. دیکھو قرآن شریف میں نوح
علیہ السلام [illegible] ارشاد ہوا ہے [illegible] ہزار برس سے پچاس کم نو سو برس تک رہے ہیں [illegible]
[illegible] تناقض ثابت ہوگا والا [illegible] باطل ہے خداوند تعالی
جاہلوں کی [illegible] اپنی پناہ میں رکھ کر علماء دین کے زمرہ میں داخل کر کر
[illegible] بنا دے۔ [illegible]
بطفیل اپنے حبیب محمد
رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم

الموجبة الجزئية اعني قولنا بعض البشر حي دائما وهذه قضية كاذبة قطعا ويلازم
ذلك النقيض الصريح قولنا لا شيء من البشر بحي بالفعل وهي قضية صادقة لصدق
ملزومها الثابت بقول الله عز وجل المذكور ولاستلزام تحقق الملزوم تحقق اللازم
فهذه المطلقة العامة السالبة لا تستوجب موت المسيح في الزمان الماضي خاصة اذ لا اختصاص
للاطلاق العام بزمان دون زمان بل تقتضي موته في الجملة والمسلمون باجمعهم قائلون بوقوع
موته في مبادي الساعة فالزم وثبت بالآيتين غير مناقض ولا مناف لاعتقاد كون المسيح
حيا الآن وما ينافي لذلك الاعتقاد الصحيح الحق الصريح من دوام الحيوة في الدنيا وعدم
الموت عدما مؤبدا غير ثابت بالآيتين فالثابت غير محال والمحال غير ثابت وحمل الخلود
في الآيتين على معنى طول العمر مجازا لا يصح اذ حمل اللفظ على المعنى المجازي بغير قرينة صارفة

(وہ یہ ہے کہ بعض آدمی دائمًا زندہ ہیں) لیکن یہ قضیہ کاذب ہے اسلئے کہ اسکی نقیض کہ نہیں ہے کوئی بشر
بالفعل زندہ، صادق ہے کیونکہ اس کا ملزوم (یعنی نہیں ہے کوئی ایسا ہی آدمیوں میں سے الخ) جو
قرآن سے ثابت ہے حق ہے وجہ یہ ہے کہ ملزوم کے متحقق ہونے کو لازم کا تحقق ضروری ہے۔ پس یہ مطلقہ
عامہ سالبہ کہ "نہیں ہے کوئی بشر بالفعل (تینوں زمانوں میں کسی زمانہ میں) زندہ" مسیح علیہ السلام کی موت کو
زمانہ گزشتہ میں مستلزم نہیں ہے کیونکہ جس چیز کا پایا جانا تینوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ میں معتبر
ہو تو اسکا خاص ماضی یا خاص مضارع میں متحقق ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ یوں ضروری ہے کہ وہ
(جیسے موت المسیح کا) کسی نہ کسی زمانہ میں وجود ضروری ہے خواہ مستقبل میں ہی ہو ماضی میں تو ضروری نہیں ہے
یہ ظاہر ہے کہ اہل اسلام سلفًا و خلفًا اسکے قائل ہیں کہ مسیح علیہ السلام بعد نزول قریب قیامت کے مر جائیں گے۔ اب یہ
قرآن سے بالکل مخالف نہیں ہے کیونکہ قرآن سے تو دوام الحیوۃ کی نفی ثابت ہے جو ہمارا اعتقاد اور باقی اسلامیوں کا
عقیدہ ہے اسکے منافی نہیں ہے بنا بر علیہ ہم کہتے ہیں جو ثابت ہوا وہ محال نہیں جو محال ہے وہ ثابت نہیں۔ سوال
دونوں آیتوں میں خلود کا معنے طول بقا بطور مجاز کے ہے۔ جواب یہ بھی غلط ہے[لہ] کیونکہ اس لفظ کو وضعی اور
حقیقی معنے سے چھوڑ کر غیر حقیقی میں استعمال کرنا تب ہی جائز ہوگا کہ کوئی قرینہ جو حقیقی میں استعمال کرنے

لہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ آپ نے سو برس سے زیادہ عمر نہیں ہوگی۔ سو یہ باعتبار اکثر کے ہے ورنہ یہ حدیث واقعات اور
مشاہدہ کے بر خلاف ہوگی نیز اس حدیث کا یہی مطلب امر حدیث سے ہی ثابت ہوتا ہے چنانچہ ہم اسکی تحقیق بعض جوابات محمدی میں
کر چکے ہیں ۱۲ مصنف

من يتوفى وممن يرد لان من يرد بحسب مفهومه يندرج في من يتوفى لانه اخص منه فان من يرد الى ارذل العمر لا محالة يدركه التوفي والتوفي متحقق بدون الرد ايضا كما هو معه فالمتوفى اعم ممن يرد وتقسيم الشئ الى نفسه والى ما هو اخص منه غير صحيح بل غير متصور لانه عبارة عن جعل الشئ الواحد بالوحدة المبهمة متعددا بضم قيود متعددة مختلفة فان كانت القسمة اعتبارية كتقسيم كل ماهية الى حصصها وافرادها الاعتبارية يكون التقييدات بها داخلا في عنوانها دون الحقائق والمعنونات والقيود غير داخلة اصلا لا في هذه ولا في تلك و

اور من يرد (یعنی جو شخص ارذل العمر تک پہونچایا جاتا ہے) کے ظاہر معنے کیطرف لحاظ کرکے یہ تقسیم درست نہیں ہے سبب یہ ہے کہ جو ارذل العمر کیطرف مردود ہوتا ہے وہ باعتبار اپنے مفہوم کے من يتوفى میں داخل ہے کیونکہ وہ خاص اور یہ عام ہے۔ کیا یہ معلوم نہیں ہے کہ جو ارذل العمر تک پہنچتا ہے اسکو بھی موت لاحق ہوتی ہے اور موت اسکے بغیر بھی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ یہ بات اسی سے ثابت ہے پس متوفی جب کہ من يرد سے عام ہوا تو یہ تقسیم اسواسطے درست نہیں ہے کہ یہ ایک چیز کو اپنے آپ اور اخص پر بانٹنا ہے۔ حالانکہ تقسیم جبھی درست ہوتی ہے کہ اقسام مقسم سے مغائرت رکھتی ہوں نہ کہ ایک قسم عین مقسم ہو اور دوسرا غیر بلکہ ایسی تقسیم متصور بھی نہیں ہے اسلئے کہ تقسیم کے یہ معنی ہیں کہ ایک چیز کو بلا اسکے کہ اسمیں خصوصیت اور عموم کا لحاظ کریں [1] ایکبار اسکو مختلف قیدیں لگائی جائیں پھر اگر یہ تقسیم اعتباری ہے تو مضاف الیہ یا صفت وغیرہ کے ساتھ عبارت میں تقیید داخل ہوگی معنوں سے خارج جیسے مطلق سیاہی کو جب پتھر کی یا گھوڑے کی یا حبشی کی سیاہی کیطرف تقسیم کریں یا تقسیم واقعی ہوگی۔ لیکن یہ تب ہوگی کہ ماہیت کو

[1] مثلا کلمہ اور لفظ کو ہم بلا لحاظ خصوص اور عموم کے جیسے مرتبہ لا بشرط شئے کہتے ہیں لیکر ایکبار یہ قید لگا دیں کہ اپنے معنے پر بالاستقلال دلالت کرے اور کوئی زمانہ اس سے مفہوم نہ ہو تب تو یہ اسم کہلاتا ہے۔ اگر اپنے معنے پر بالاستقلال دلالت کرے مگر اس میں کوئی زمانہ بھی مفہوم ہوتے ہے تو یہ فعل کہلاتا ہے علی ہذا القیاس اور ایک قید لگائیے وہ حرف کہلاتا ہے اب دیکھو کہ کلمہ مقسم ہے اور یہ تینوں اسکی قسم ہیں یا مگر تقسیم مختلف قیود لگانے سے حاصل ہوئے ہیں ۱۲ منہ جسم

والہ وصحبہ اجمعین۔ واستدل ایضاً بقولہ تعالیٰ ومنکم من یتوفی و
منکم من یرد الی ارذل العمر لکیلا یعلم بعد علم شیئاً وتمسک بہ ان ہذا
التقسیم حاصر لجمیع افراد البشر کحصر الزوج والفرد لجمیع افراد العدد بحیث
لا یجتمع وصفا التوفی والرد الی ارذل العمر فی فرد من البشر ولا یخلو فرد من کلیہما
کما لا یجتمع الزوج والفرد فی عدد ولا یخلو العدد من کلیہما فالقضیۃ منفصلۃ
حقیقیۃ فاذا لم یمت المسیح ولم یعرض لہ ارذل العمر لزم ارتفاع کلا جزئی الحقیقیۃ
وہذا غیر ممکن فہذا المحال انما لزم من فرض عدم موتہ فیکون باطلا فثبت نقیضہ
وہو موت المسیح فذلک ہو المطلوب والجواب انہ یمکن التقسیم بنظر الی ہو فقط

اُنکی آل واصحاب کے بنا ہے۔ قادیانی اپنے مدعا کے ثابت کرنے کے لیے یوں بھی دلیل پیش کرتے
ہیں کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ بعض تم میں سے ایسے ہیں جو ارذل عمر تک پہنچنے سے
پہلے ہی اُٹھ جاتے ہیں۔ بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ارذل العمر تک پہنچتے ہیں اور نوبت
پہنچتی ہے ایسا کہ وہ سب کچھ سیکھا ہوا بھول جاتا ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے
کہ جس طرح جفت اور طاق عدد کے افراد کو حاصر ہے ویسے ہی مر جانا اور ارذل العمر تک پہنچنا تمام افراد
انسان کو حاصر ہے پس جیسے کہ عدد کے افراد میں جفت و طاق جمع نہیں ہو سکتے اور دونوں سے خالی
ہوتے ہیں۔ ویسے ہی افراد انسان ان دونوں سے نہ تو خالی ہو سکتے ہیں اور نہ دونوں انہیں اکٹھے
پائے جا سکتے ہیں۔ پس یہ ایک قضیہ منفصلہ حقیقیہ[۱] ہوا۔ اب بھی اگر تم کہو گے کہ مسیح علیہ السلام نہ تو مر گئے
ہیں اور نہ ارذل العمر انکو عارض ہو گئی ہے تو بداہۃً ان دونوں کا افراد انسان کو بعض سے ارتفاع
لازم آویگا۔ حالانکہ دونوں کا مرتفع ہونا باطل ہے۔ چونکہ یہ امر محال مسیح علیہ السلام کی زندگی کے فرض
کرنے سے لازم آیا تو مفروض بھی محال ہوا۔ جب زندگی محال ہوئی تو اسکی نقیض (یعنے انکا
مرنا) ثابت ہوئی۔ یہی مقصود تھا۔ الجواب من یتوفی (یعنے جو شخص مارا جاتا ہے)

۱؎۔ منفصلہ حقیقیہ جیسے کہیں کہ زید یا پہلے ہی مر گیا۔ یا ارذل العمر تک پہونچکر مرے گا۔ اب
اس میں یہ ضروری ہے کہ نہ تو یہ ہو کہ زید پہلے ہی مرے اور ارذل العمر تک بھی پہونچے۔ اور نہ یہ کہ
نہ وہ ہو نہ یہ۔ ہذا بناءً علی قول القادیانی ۱۲ مترجم

ويرد وحينئذ المتوفى مطلقا المتلازم للانسان بين قسميه كما يرد الحيوان
المنقسم الى قسميه من الناطق وغير الناطق فمحل التقسيم ومورد القسمة هو
المتوفى مطلقا والقسمان اللذان ينقسم اليهما هما المتوفى المعروض للرد والمتوفى
الذى ليس كذالك فهذا التقسيم صحيح وحاصر ويحصر المتوفى المطلق اللازم بحصر
الانسان الملزوم ولا يلزم التنافى بين القول بعدم مضى موت المسيح عليه السلام
وبين ذالك الحصر لكفاية القول بوقوع موته فى الآتى لصدق ذالك الحصر وهو عليه السلام
داخل فى الشق الاول من الحصر وليس من لوازم دخوله فيه مضى موته البتة
فان الشق الاول مذكور بصيغة المضارع دون صيغة الماضى ولعل المستدل
الكاذب اشتبه عليه لفظ يتوفى المضارع المجهول بصيغة توفى الماضى المجهول فتفوه
بما تفوه ولم يات بشئ معقول نعم انما يلزم ابطال الحصر لو قيل بتابيد حيوته وخلوده
فى الدنيا فحينئذ لا ترتفع كلا الشقين ولو جد قسم آخر من الانسان لم يوجد فيه التوفى مطلقا

جسکو رد کی حالت عارض نہیں ہوتی۔ دوسرا وہ ہے کہ جسکو یہ حالت عارض ہوتی ہے۔ البتہ اس
طریق پر متوفی دونوں میں مشترک ہوگا۔ اب جسطرح کہ حیوان محل قسمت ہے۔ حیوان ناطق۔ حیوان
ناطق۔ اسکے دو قسم ہیں ویسے ہی مطلق متوفی محل تقسیم ہے اور متوفی جسمیں رد کی حالت کا عارض
ہونا معتبر ہے۔ اور متوفی کہ جسمیں اس حالت کا عارض ہونا ملحوظ ہے۔ اسکے دو قسم ہونگے مطلق
متوفی کے جو لازم ہے "محصور ہونے سے انسان کا جو ملزوم ہے" محصور ہونا متحقق ہوا یہی بات کہ
مسیح علیہ السلام کا اگر زمانہ ماضی میں نہ مرنا ہی مانا جاوے تو یہ اس حصر کے منافی ہے۔ سو یہ غلط
ہے کیونکہ مسیح علیہ السلام پہلی شق (یعنی متوفی سوا اسکے کہ اسکو رد کی حالت عارض نہو) میں داخل
ہے۔ پس مسیح کا زمانہ ماضی میں نہ مرنا منافی حصر نہیں ہے اسلئے کہ صحت حصر کے واسطے اتنا کافی
ہے کہ وہ زمانہ مستقبل میں مر جائیں حصر کے لوازم سے یہ تو نہیں ہے کہ وہ زمانہ ماضی میں مر گئے
ہوں کیا دیکھتے نہیں کہ شق اول بصیغہ مضارع مجہول آیت میں بیان کی گئی ہے نہ بصیغہ ماضی مجہول
شاید کادیانی مضارع و ماضی میں فرق نہیں کرتے ہیں۔ اسیواسطے یہ کچھ خیال میں آیا کہہ ڈالا ہاں اگر
اگر مسیح علیہ السلام کا دنیا میں ہمیشہ زندہ رہنا مانا جاتا تو یہ حصر کے منافی ہوتا اسلئے کہ پھر

ان كانت حقيقية فاما بالمقومات المحصلة والفصول المنوعة فيكون القيود
داخلة في المعنونات وان بالعوارض المخصصة فالقيود داخلة في العنوانات دون
المعنونات وظاهر ان الانسان لو كان منقسمًا الى المتوفي والمردود لكان
انقسامه بهذين الوصفين انقسام الشئ بالعوارض المخصصة المميزة لبداهة خروج
وصفي التوفي والرد عن الانسان والتمييز لقسم انما يحصل بوصف يختص بذلك القسم
ولا يوجد في قسيمه والتوفي ليس كذلك لتحققه فيما زعمه المستدل قسيمًا للمتوفي
ايضا فاذا انتفى الاختصاص والتمييز انتفى التقسيم وان تاملت حق التامل تيقنت
بالتقسيم بين من يتوفى من غير ان تعرضه حالة الرد وبين من يتوفى مع عروضها

فصول کے ساتھ تقسیم کریں۔ مگر اس صورت میں فصل کی قید معنون میں داخل ہوگی جیسے حیوان
کو ناطق یا ناہق سے مقید کریں۔ قید مع مقید پر انسانیہ یا حماریہ کا حکم لگادیں یا اگر ماہیت
کو عوارض سے مقید کر کے تقسیم کریں۔ قید کو معنون میں داخل نہیں۔ چنانچہ لکھنے والا
انسان۔ غیر کاتب انسان۔ پس صورت اولیٰ میں حیوان انسان۔ حمار کہلائے گا۔ دوسری
صورت میں زید اور عمر وغیرہ کہلائے گا۔ یہی تقسیم ہے۔ جب یہ سمجھ گئے تو یہ بھی سمجھ لیں کہ انسان
کو اگر متوفی۔ من یرد کیطرف تقسیم کریں گے تو یہ تقسیم ایسے عوارض کے ساتھ ہوگی جو الگ قسم
اور خاص بنانے والے ہیں کیونکہ جو چیز کہ حقیقت سے خارج ہو وہ عرض ہے۔ پس چونکہ
توفی اور رد یہ دونوں انسان کی حقیقت سے خارج ہیں تو عوارض ہیں۔ لیکن تقسیم میں جو بات
ضروری ہے کہ اقسام آپس میں غیر مشترک ہوں اور ہر ایک جب ہی ممتاز ہوگا کہ ایک کا
وصف دوسرے میں متحقق نہ ہو حالانکہ توفی ایسا نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ وصف شق ثانی
میں بھی متحقق ہوتا ہے۔ پس اس وصف کی ایک چیز کے ساتھ کیا خصوصیت رہی کیا تمیز
دے سکتا ہے۔ لہذا کاویانی نے جسکو تقسیم سمجھا تھا وہ تقسیم ہی نہیں ہے۔ ہاں بلاشبہ اگر
مطلق من یتوفی کو لیکر یہ دو قسم کر ڈالیں تو صحیح ہے چنانچہ کہیں کہ ایک من یتوفی وہ ہے کہ

له معنون میں داخل ہونے کے یہی معنی ہیں ۱۲ مترجم

زعمهم بالخصوصات منها حديث المعراج الدال على ملاقات نبينا صلى الله عليه
وسلم مع ابنى الخالة يحيى وعيسى عليهما السلام فى السماء الثانية وتنقيحه انه لو لم يكن
ميتا لما اجتمع عيسى مع الاموات من النبيين فى مقار ارواحهم اقول ان هذا الاستدلال
مما يضحك عليه البلهاء والصبيان فانه لو كان الاجتماع معهم يستلزم موت من يجتمع
معهم لزم كون نبينا صلى الله عليه وسلم ميتا حين اجتماعه معهم وهل هذا الا خبط
او جنون ولو ادعى طول اجتماعهما وكون الاجتماع الكذائى داعيا للاتحاد بينهما
فى وصف الموت وان هذا النوع من الاجتماع لم يوجد لنبينا صلى الله عليه وسلم
مع ارواح النبيين فلا يلزم كونه مثلهم بخلاف عيسى ويحيى عليهما السلام
فانهما معا مستقران فى تلك السماء فيلزم ان تكون حال احدهما كحال الاخر قلنا
منعنا المقدمتين من كون السماء الثانية مقرا لكليهما ومن كون هذا النوع من الاجتماع
علة لاتحاد حالتى المجتمعين وسند المنع الاول انه لا يلزم من ملاقات رسول الله
صلى الله عليه وسلم مع نبى الله يحيى كون يحيى عليه السلام مستقرا فيها فى تلك السماء
بل يجوز ان تكون ملاقاتهما كملاقاته مع جميع الانبياء فى الاقصى بان يكون مقرهم

دعا کے لئے حدیث معراج پیش کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول کریم صلعم
نے دوسرے آسمان پر مسیح یحییٰ علیہما السلام سے ملاقات کی۔ تنقیح الاستدلال اگر مسیح علیہ
السلام مرے نہ ہوتے تو یحییٰ علیہ السلام کے ساتھ جو اموات میں داخل ہیں کیوں مجتمع ہوتے۔ الجواب
کہ یہ قول بالکل لچر ہے کیا اگر اموات کے ساتھ مجتمع ہونا مصاحب کو میت ہونیکو بھی چاہتا تو رسول
کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو معراج کی رات میں اموات کے ساتھ مجتمع ہوتے تھے تو وہ بھی اس حالت میں میت ہی ہوا
تھے۔ آپکو کیا مرکر معراج ہوا تھا۔ زہے دانش۔ شاید کادیانی یوں بھی کہدیں کہ مدت دراز تک میت کے
ساتھ مجتمع ہونا یہ اسکو چاہتا ہے کہ ہم صحبت بھی میت ہو۔ سو یہ بھی غلط ہے۔ اولاً کہ جائز ہے یحییٰ علیہ
السلام کا دوسرا آسمان مقر نہو بلکہ اس خاص وقت میں انکو دوسرے آسمان پر مستقر ہونیکا حکم دیا گیا تھا۔
جیسا کہ رسول کریم صلعم کو حضرات انبیاء علیہم السلام سے مسجد اقصیٰ میں یا آسمانوں پر خواہ ارواح متمثل
تھے یا معہ اجساد بعینہا۔ ملاقات ہوئی تھی حالانکہ اُن کے ارواح

فکان محالاً لان یورد علیہ بانہ اما ان یوجد فی ذالک القسم الخارج من القسمین
الذی فرض مؤبداً ومحلاً لمطلق التوفی وھذا مع کونہ بدیھی الاستحالۃ لتنافی
ابدیۃ الحیوۃ والتوفی یقتضی ابطال الحصر لوجود المقسم بدون ما انقسم الیہ
من القسمین واما ان لایوجد فیہ بسبب انتفاء جمیع موارده وارتفاع ما انحصر
فیہ وھذا یفضی الی القول بعدم لزوم التوفی للانسان وذالک باطل بدلیل قولہ
تعالی کل نفس ذائقۃ الموت واما الی القول بجواز حصر اللازم فی شیئ بدون
حصر الملزوم فی ذالک الشیئ وھو ایضاً باطل للزوم انفکاک اللازم عن الملزوم
وھذہ المحالات انما ھی لازمۃ علی القول بتابید حیوتہ علیہ السلام فیکون باطلا
ولا تلزم للقول بطول حیاتہ مع وقوع موتہ فی المستقبل وبینھما بون بعید وبعد
ذالک الکاتب ھذہ الاستدلالات من الاستدلال بالعمومات ثم استدل علی

تیسری قسم کا انسان کہ جسمیں مطلقاً توفی نہیں تھا ماننا پڑتا۔ پس بریں تقدیر یہ اعتراض وارد
ہوتا کہ اس قسم کے انسان میں مطلق توفی پایا جاتا ہے یا نہ۔ اگر پایا جاتا ہے تو یہ باطل ہے۔
کیونکہ ابدیت ایک تو منافی موت ہے۔ دوم اس صورت میں حصر باطل ہوتا ہے۔ اس واسطے
اس صورت میں مقسم کا ان دو قسموں کے بغیر جنکی طرف اسکو تقسیم کیگئی تھی" موجود ہونا
لازم آوے گا۔ اگر انسان میں مطلق توفی متحقق نہیں ہے۔ اس سبب سے کہ وہاں پر اس مطلق کا
محل جنمیں منحصر تھا پائے نہیں جاتے" تو اس سے دو محالوں میں سے ایک محال لازم ہوگا۔ یا یہ کہ
توفی انسان کو لازم نہیں حالانکہ یہ باطل ہے اسلئے کہ خداوند تعالی فرماتا ہے کہ ہر ایک نفس موت
کا مزہ چکھیگا۔ یا لازم آویگا کہ ایک لازمی امر کسی چیز میں منحصر ہو اور ملزوم اسمیں منحصر نہ ہو۔ یہ بھی
محال ہے کیونکہ اس صورت میں لازم کا ملزوم سے جدا ہونا ظاہر ہے حالانکہ یہ بھی باطل ہے۔
اب چونکہ یہ سب محالات اس صورت پر عائد ہوتے ہیں کہ "مسیح علیہ السلام کا ہمیشہ زندہ رہنا مان لیا
جاوے" اسلئے یہ بھی باطل ہوا لیکن یہ محالات جس تقدیر پر کہ مسیح علیہ السلام کے لئے طول بقا مستقبل
میں مرجانا" مراد لیں گے عائد نہیں ہوتے۔ اب تک کادیانی عبارات کے عموم سے استدلال
کرتے تھے۔ اب اپنے

فلم یلزم المحذور وبهذا وضح انه لایلزم من اجتماع المسیح ویحیی فی السماء کون کلیهما مقیمین فیها فضلا عن کونهما مشارکین فی وصف الموت کما زعم وسند المنع الثانی ظاهر فان اتحاد المکان ولو علی سبیل القرار لایستلزم اتحاد المتمکنین فی الاوصاف کلها فتامل یظهر لک حقیقة ما قلنا ومن دلائله الخاصة علی حسب زعمه قوله تعالی انی متوفیک وقوله عزوجل فلما توفیتنی وما هذا فی الحقیقة الا تمویه بالباطل وایهام جهلة الناس وایقاعهم فی الضلالة والحیرة واذا حضر ان هذین القولین الکریمین لایدلان علی مزعومه اذ التوفی عبارة عن اخذ الشیء وافیا ومادته الوفاء ومن الاصول المقررة والقواعد المسلمة ان اصل الماخذ بمفهومه معتبر فی جمیع تصاریفه وان اختلفت الصیغ والابواب واعتباره فیها اعتبار الجزء فی الکل الا تری الی لفظ العلم فان معناه حصول صورة الشیء عند العقل والاضافة بین العالم والمعلوم او نسبة ذات اضافة کذا ابتداء او

لہذا کوئی محال عائد نہیں ہو سکتا۔ اس سے بخوبی واضح ہو گیا ہے کہ مسیح علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام کے دوسرے آسمان پر مجتمع ہونے سے دونوں صاحبوں کا آسمان دوم پر مقیم ہونا ضروری نہیں ہے پھر یہ کب لازم آسکتا ہے کہ جیسے یحییٰ علیہ السلام میت تھے ویسے ہی مسیح علیہ السلام بھی ہونے چاہئیں ثانیاً گو دو شخص ایک ہی مکان میں دائمی طور پر مقیم بھی ہوں تو کیا اس سے ان دونوں کا ہر ہر وصف میں یکساں ہونا لازمی ہے ہرگز نہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔ کادیانی اپنے گمان فاسد سے اس آیت کو بھی اپنے مدعا کے لئے دلیل سمجھتے ہیں کہ اس آیت (انی متوفیک) اور دوسری آیت (فلما توفیتنی) میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے مسیح میں تیرا متوفی ہوں جب تو نے مجھکو توفی دی۔ لیکن درحقیقت یہ استدلال محض ملمع ہے جاہلوں کو ورطۂ ضلالت میں ڈالنے کے لئے کافی ہے۔ خیر بہرحال ہم اس کی تردید کریں گے۔ وہ یوں ہے کہ توفی کا معنے لغۃً کسی چیز پر پورے طور پر قبضہ کرنا ہے۔ اور اس کا مادہ (یعنے جس سے یہ لفظ لیا گیا ہے اور اسکو ماخذ بھی کہتے ہیں) وفا ہے۔ قاعدہ مقررہ مسلمہ ہے کہ ماخذ کا معنے ماخوذ کے تمام گردانوں میں معتبر ہوتا ہے۔ گو انکی صورتیں اور صیغے مختلف ہوں ماخذ کا معنے ماخوذ میں اس طرز پر داخل ہوتا ہے۔ جیسے کہ جز کل میں داخل ہوتی ہے۔ دیکھو علم کا لفظ (خواہ اس کا معنے عند العقل شے کی صورت کا حاصل ہونا۔ یا عالم و معلوم کے درمیان نسبت ہونا خواہ کہ ایک اضافت والی چیز ہے۔ یا

العليين وامروا بالذهاب الى المسجد الاقصى او الى السموت المختلفة من مقرهم
الاصلي باجسادهم بعينها او بارواحهم بالتمثل بامثال اجسادهم وكل ذلك ممكن له
تكون مقرهم القبور كما رئي موسى عليه السلام يصلي في قبره فامروا بالذهاب الى
الاقصى والى السموت كذلك فان قيل ان هذا القول قول بعروجه صلى الله عليه وسلم
بالعروج المثالي قلت كلا فان عروجه عليه السلام عروج عيني واقع بجسده الطاهر
الاشرف ولا يلزم من رؤيته المثل رؤيته بالمثال فان رؤيته الاشياء في ليلة المعراج
تنوعت فقد راى بعض الاشياء انفسها وبعضها بامثالها كما يظهر لمن طالع ما مر
في بيان معاملة الاسراء ذهابا وايابا وفرق بين كون المثال مرئيا وبين كونه رائيا

اعلیٰ علیین تھے یہ سب ممکنات سے ہے۔ یا یہ کہ انکا دراصل مقر قبور ہی ہیں (چنانچہ
حدیث میں آچکا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا گیا ہے) لیکن انکو اسوقت
آسمان پر یا مسجد اقصیٰ میں جانے کا حکم دیا گیا تھا۔ سوال یہ تو ہمارا عین مدعا ہے کہ معراج
مثالی ہے۔ الجواب آپکے معراج کو مثالی بیان کرنا ہی غلط ہے بلکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معراج
جسد عنصری لطیف کے ساتھ تھا نہ مثالی اور کشفی طور پر کیونکہ صحیح احادیث میں جو حالات آمد و
رفت کی حالت میں مذکور ہیں ان سے صراحتًا معلوم ہوتا ہے کہ یہ جسمانی معراج تھا۔ ہاں
مثال کو دیکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آنحضرت نے مثال کے ساتھ ہی دیکھا ہو۔ مثال کا
مرئی ہونا اور ہے اور رائی ہونا اور ہے کیا دیکھتے نہیں کہ آپ نے معراج کی حالت میں کئی
چیزوں کی مثال کو اور کئی چیزوں کو [illegible] معلوم ہوگا

کادیانی کا بیان ہے کہ رسول کریم صلعم کے معراج کی حقیقت یہ ہو کہ [illegible]
آپ پر مسجد اقصیٰ کے حالات ظاہر کر دیئے گئے تھے [illegible]
شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی ایسے ہی مطالب لکھتے ہیں۔ لیکن [illegible] مقام دیکھا گیا تو فی الحقیقت
شاہ صاحب کا وہی مطلب ہے جو ہرگز خلاف عقیدہ قدیمہ نہیں۔ گو اُس خلیفہ نے اپنے زعم میں اور ہی کچھ اپنے مطلب کے موافق سمجھا
ہوا تھا سبحان اللہ اگر ایسے منصف ہوں تو سب متقدمین و متاخرین کو بدنام کر ڈالینگے یہ حضرت ہیں کہ کادیانی لکھتا
ہے کہ رسول کریم صلعم جسم کثیف کے ساتھ معراج نہیں ہوا" نعوذ باللہ دیکھئے کیہ اوپیکے اور دعوی مجددیت کا ۱۲ منہ

تعدی الا ان الی مالم یتعدالیه فی صورته الاصلیة لمادته ففیهما الترکیب من جزئین ومن
المشتقات من الماخوذ منه اعلم بصیغة الماضی ایضا مثلاً ففیه الترکیب من اربعة اجزا
اثنان منها الجزءان اللذان تضمنهما الاعلام من مفهوم المصدر المجرد ومن خصوص
مقتضی الباب والآخران هما النسبتان المذکورتان ففی التوفی لکونه ماخوذا من
الوفاء احتواء علی معنی الوفاء باعتبار کونه ماخذا له وعلی الاخذ باعتبار خصوص الباب وفی
ما اشتق من التوفی من الصیغ الدالة علی الزمان کتوفیت مثلاً احتواؤه علی اربعة اجزاء
ومن الصیغ الغیر الدالة علی الزمان کصیغة المتوفی انطواء علی ثلثة اجزاء لعدم اشتمالها
علی الزمان فاحاطة کل صیغة من هذه الصیغ المشتقة علی مفهوم اصل الماخذ سواء کان
ترکیب معناها من تلک الاجزاء ترکیبا حقیقیا کما هو المشهور او ترکیبا تحلیلیا کما هو الحق

نیز اسمیں باب افعال کا مقتضا جس لئے یہ متعدی ہوا (حالانکہ اسکے ماخذ میں یہ نہیں ہے) پایا جاتا ہے۔
لہذا اسمیں دو جز متحقق ہیں۔ اعلام سے جو علم سے لیا گیا ہے" اعلم بصیغہ ماضی معلوم مشتق ہے۔ اس لئے
اسمیں چار جزئیں ہیں ایک علم جو مصدر ہے" دوم باب افعال کا مقتضا سوم فاعل کی طرف نسبت۔ چہارم
زمان۔ جب یہ ثابت ہوا تو پھر ضرور ماننا پڑے گا کہ توفی کے معنے میں وفا داخل ہے کیونکہ وہ وفا سے ماخوذ
ہے نیز اقرار کرنا پڑے گا کہ باب تفعل کا مقتضا جو اخذ (بمعنے لے لینا) ہے اسمیں معتبر ہے۔ پس
جو الفاظ توفی سے ماخوذ ہیں بشرطیکہ وہ زمانہ پر دلالت کرتے ہیں" چار جزؤں پر شامل ہونگے
جیسا کہ توفیت (پورا لے لیا میں نے) اور جو زمانہ پر دلالت نہیں کرتے ہیں انکی تین جزئیں ہونگی
دیکھو متوفی[1] اسلئے کہ اسمیں زمانہ معتبر نہیں ہے مختصراً کہ جو جو صیغہ کسی مصدر سے لیا گیا ہو اسکا
یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے ماخذ و مصدر پر شامل ہو۔ گو اس ترکیب کو حقیقی کہیں یا اعتباری۔
ہاں یہ تو ماننا ہی پڑتا ہے کہ اگر اس ترکیب کو تحلیلی کہیں گے حق بھی یہی ہے" تو شمول کا معنی

---

[1] شاید کوئی کہدے گا کہ اسم فاعل میں تو زمانہ ضروری ہے۔ سو اسکا جواب یہ ہے کہ ضروری اس
موقوف پر ہے کہ جب عامل ہو نہ مطلقاً یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ آیت الی متوفیک میں جو متوفی ہے اسمیں زمانہ
معتبر ہے کیونکہ یہ یہاں پر عامل ہے" اس لئے کہ متوفی کاف خطاب کی مضاف ہے۔ اور کاف محلاً
مجرور ہے نہ یہ کہ متوفی کا مفعول ہے ۱۲ مترجم

الصورة الحاصلة او الحالة الادراكية او تحصل صورة الشيء على حسب تنوع آرائهم
وهذا المعنى يكون داخلاً في معانى جميع ما اخذ من لفظ العلم سواء كان ذلك الماخوذ
من تصريفات المجرد او المزيد فان علم مثلاً بصيغة الماضي المعلوم معناه انه حصل للفاعل
صورة الشيء المعلوم في الزمان الماضي هذا على الاصطلاح الاول او حصلت له الاضافة
بينه وبين ما علم وهذا على التفسير الثاني وقس على امثلتنا اليه باقي الاصطلاحات فاشتمل
مفهوم علم الماضي على مفهوم المصدر ونسبته الى الفاعل والزمان يكون مفهومه كلاً
ومفهوم المصدر جزءاً ففيه التركيب من ثلثة اجزاء وكون النسبة الى الفاعل والزمان
جزئين عام في جميع ما اشتق من المصدر المجرد او اشتق من الماخوذ من ذلك المجرد من
الافعال ولا يلزم ان يكون كل ما اشتق من ذلك المجرد وما اخذ منه او اشتق من الماخوذ
منه سواء كان فعلاً او غيره كذلك فان من مشتقات العلم العالم والنسبة الى الزمان
لا تتوجد فيه ومن الماخوذ منه الاعلام وكلتا النسبتين لا توجدان فيه لا نسبة الفاعل
ولا نسبة الزمان بل فيه مفهوم الاصل المجرد وما اقتضاه خصوص هذا الباب الذي يدل

خود صورت حاصلہ یا دانش ہے یا شی کی صورت کا حاصل کرنا وغیرہ) کو کسی معنی سے اسکو لو۔ وہ ضرور اسکے
ماخوذ میں پایا جاویگا وہ ماخوذ ابواب مجردہ سے ہو یا مزیدہ سے مثلاً عَلِمَ (جان لیا اُسنے) ماضی معلوم
کے ساتھ اسکا معنے پہلی اصطلاح کے موافق یہ ہے کہ فلانے نے فلانی چیز کی صورت زمانہ گذشتہ میں اپنی
عقل میں حاضر کی دوسری اصطلاح کے مطابق فلانے کو اپنے آپکے اور معلوم کے درمیان ایک نسبت (عالمیۃ
معلومیۃ) حاصل ہوگئی ہے اسیطرح پر اور ضمین جاری کرو تو ہر ایک میں یہی پائیں گے جو ہم بیان کر آئے ہیں پس جبکہ
علم کا لفظ جو صیغہ ماضی معلوم ہے اپنے مصدر اور ماخذ پر بھی شامل ہوا تو اسمیں تین چیزوں سے ترکیب ہوگی
ایک مصدر دوم زمانہ سوم فاعل کیطرف نسبت لیکن یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ یہ دو چیزیں ایک نسبت دوم
زمانہ ہر ایک میں خواہ مصدر مجرد سے لیا گیا ہو یا اُس سے جو اس مجرد سے لیا گیا ہے ماخوذ ہو یا مشتق ہونگے
البتہ یہ ضرور نہیں ہے کہ ہر ایک ماخوذ میں پایا جاوے نہیں بلکہ افعال میں نہ غیر میں دیکھو علم سے عالم ماخوذ ہے مگر اسمیں
فاعل کیطرف نسبت ہے اور نہ زمانہ کی جانب ہاں اتنا تو ہے کہ اسکا ماخذ یعنے علم اسمیں موجود ہے ایسا ہی اِعلام
(سکھانا) جو اسی علم سے ماخوذ ہے اسمیں نہ تو فاعل کیطرف نسبت ہے اور نہ زمانہ کیجانب ہاں اسکا ماخذ اسمیں موجود ہے

والثاني بدخول جزء المشتق في المشتق فإن وضع المشتقات وضع نوعي كما يقال
كل لفظ على وزن مفعول فهو يدل على من وقع عليه الفعل فإذا لم يكن يدل يكون المعنى
معنى حقيقيًا حال كونه مركبًا من تحقق كل جزء من أجزائه ويكفي في ارتفاعه وتحقق المعنى
المجازي انتفاء واحد من تلك الأجزاء لأنه كما ينتفي الكل بانتفاء جميع الأجزاء ينتفي بواحد
منها وذلك ظاهر وهذا التحقيق يدل دلالة واضحة بينة على أن المتوفي هو الأخذ
بالوفاء والتمام وذلك معناه الحقيقي لتحقق جميع ما لا بد منه للمعنى الحقيقي بهذا اللفظ من
مدلول الوفاء والأخذ ونسبته إلى الفاعل ففي قوله تعالى خطابًا لعيسى بن مريم عليه السلام
يعيسى إني متوفيك ورافعك يكون معناه على الحقيقة أن يا عيسى إني آخذك بالكلية
وبالتمام وكذا المراد في قوله تعالى حكاية عنه فلما توفيتني كنت أنت الرقيب عليهم هو الأخذ بالتمام

دوسرے کی مثال مشتق کی جزو کا اسمیں داخل ہونا۔ کیونکہ یہ دخول بوضع نوعی ہے جیسا چنانچہ کہا جاتا
ہے کہ ہر لفظ جو مفعول کے وزن پر ہو وہ اسپر دلالت کریگا کہ جس پر فعل واقع ہوا ہو۔ لہذا حقیقی معنے
جب کہ مرکب ہو وہ تا وقتیکہ تمام اجزا متحقق نہولیں حقیقی نہیں کہلائے گا۔ اسکے مرتفع
ہوجانے۔ مجازی بننے کے لئے ایک جزو کا بھی تھما کافی ہے۔ کیونکہ کل کا انتفا جیسے کہ تمام اجزا
کے منتفی اور معدوم ہوجانے سے ہوجاتا ہے ویسے ہی اسکا انتفا کسی ایک جزو کے نابود ہوجانے
سے ہوتا ہے۔ آپ دیکھو یہ تحقیق سابق واضح طور پر اسپر دلالت کرتی ہے کہ متوفی [illegible]
پورے طور پر لینے والا ہے۔ الغرض یہی متوفی کا حقیقی معنے ہے کیوں نہ ہو کہ جس کی [illegible]
کو ضرورت ہے وہ پایا گیا ہے۔ وہ یہ ہیں۔ ایک وفا دوم لینا سوم فاعل کی طرف نسبت۔
پس آیت (یعیسی انی متوفیک) جس کا مضمون یہ ہے کہ اے عیسی میں تیرا
متوفی اور اپنی طرف تیرا اٹھا لیجانے والا ہوں، کا اسے مسیح میں تجھ کو
پورے طور پر لینے والا ہوں۔ ایسا ہی آیت فلما توفیتنی
الخ سے بھی پورا اور تمام کا لے لینا مراد ہے
لیکن مسیح علیہ السلام پر جو پورا اور
تمام کا مقبوض ہونا

التحقيق بالتامل الدقيق لاحاطة الكل على الجزء وان كانت هذه الاحاطة على الاحتمال الثاني
الراجح يؤل الى الاحاطة بمعنى صحة انتزاع الجزء التحليلي من الكل كذالك فاذن المعنى
الذي يراد من التوفي او مما اشتق منه فهو على تقدير كونه مجردا عن معنى الوفاء لا يكون
معنى حقيقيا للفظ التوفي او المشتق منه لان التجريد عن بعض اجزاء الموضوع له تجريد
عن كله ولا يلزم تحقق الكل مع انتفاء الجزء او تحقق ما هو في حكم الكل مع انتفاء
ما هو في حكم جزئه وذا باطل بالبداهة فاذا لم يكن ذالك المعنى المراد معنى حقيقيا
لذالك اللفظ لابد ان يكون معنى مجازيا اذ اللفظ المستعمل في المعنى لا يخلو عن الحقيقة و
المجاز ولا يختص ذالك الحكم بارتفاع مفهوم المأخذ فحسب بل يحكم بالمجازية في كل
صيغة بانتفاء كل جزء اي جزء كان من الاجزاء المعتبرة في تلك الصيغة سواء كان دخول
ذالك الجزء فيها بالوضع الشخصي او بالوضع النوعي مثل الاول باللبنات في الجدران

یہی ہوگا کہ اس جزو اعتباری کا اس عبارت کل سے اعتبار کر لینا جائز ہے۔ پس اگر توفی کا معنے
وفا کو چھوڑ کر لیے جائیں گے تو یہ حقیقی نہیں ہوگا۔ اس واسطے کہ موضوع لہ کے بعض اجزا کو الگ کر دینے
سے کل ہی سے تخلیہ لازم آتا ہے نہیں تو باوجود انتفاء جزء کے کل کا تحقق چاہیئے (یہ اس صورت
میں ہے کہ ترکیب حقیقی ہو) یا لازم آوے گا کہ جو حکما کل ہے وہ حکمی جزء کے بغیر متحقق ہو۔
حالانکہ یہ باطل ہے۔ اس لئے ثابت ہوا کہ وہ مجازی معنے ہوگا آخر یہ تو ظاہر ہے کہ لفظ
کا استعمال یا حقیقۃً یا مجازاً ہوتا ہے۔ لیکن یہ خیال نکرنا کہ ماخذ ہی صرف معتبر ہوگا
تب ہی مجازی ہوگا نہیں بلکہ کوئی جزء ہو جبکہ اس کا انتفا مان لیں گے وہ مجازی ہی ہوگا خواہ اس جزء
کا دخول وضع شخصی یا وضع نوعی کے ذریعہ سے ہو جیسا کہ (سلہ) کی مثال اینٹ کا دیوار میں داخل ہونا۔

سلہ وضع کا معنے یہ ہے کہ ایک لفظ یا شے کو کسی مفہوم کے واسطے معین کر دینا۔ رہا یہ کہ شخصی کیا ہوا اور نوعی کیا
سو واضح ہو کہ شخصی میں وضع اور موضوع لہ دونوں خاص ہوتے ہیں جیسا کہ زید کا لفظ ذات زید کے لئے موضوع ہے
اب یہاں وضع اور موضوع لہ بھی خاص ہیں۔ پس یہ وضع شخصی ہوا یا لفظ دیوار کا خاص ہیئت دیوار کیلئے موضوع ہے یہ
بھی شخصی ہوگا اور اینٹ کا دیوار میں داخل ہونا بھی اسی شخصی وضع کے ذریعہ سے ہو کیونکہ وہ دیوار میں جزء کی طرح
داخل ہے اور وہ دیوار موضوع لہ بوضع شخصی ہے۔ وضع نوعی وہ ہے جو حضرت مصنف علامہ مدظلہم نے خود بالتصریح فرمایا
ہے غرضیکہ جس طرز پر جناب فرماتے ہیں یا جس طریق پر جیسا وضع ہو تو وہ نوعی کہلاتا ہے ۱۲ اصلاح جم

الوضع وضعًا شخصیًّا او وضعًا نوعیًا فان استعمل اللفظ فی المعنی الموضوع لہ الشخصی او
النوعی کان حقیقۃ والا کان مجازًا والمشتقات لترکبہا من مادۃ وھیئۃ موضوعتین
اولہما بالوضع الشخصی وثانیتہما بالوضع النوعی تکون دلالتہا علی معنی اصل المبدأ
بمادتہا بالوضع الشخصی وعلی مفہومہا الترکیبی بوضعہا النوعی وبکونہا مرکبۃ بہذہ
الصفۃ لابد لکونہا حقیقۃ من تحقق کلا الوضعین ولا یکفیہا فی کونہا حقیقۃ تحقق
احدہما فقط بخلاف مجازیتہا فانہا تتصور بانحاء ثلثۃ بانتفاء الوضع الشخصی فقط کمجازیۃ
الناطق فی معنی الدال بصرف لفظ النطق الموضوع بالوضع الشخصی عن معناہ الحقیقی الی معنی
الدلالۃ وبانتفاء الوضع النوعی فقط کاطلاق لفظ القائلۃ علی المقولۃ مع بقاء اصل المعنی المصدری
وبانتفاء کلیہما کما لو اطلق الناطق واریدبہ المدلول فلفظ مُتَوَفّیک او لفظ تَوَفَّیْتَنِی

نوعی ہوگا۔ یا شخصی۔ بہرحال لفظ کو جب ان دونوں میں کسی وضعی معنے میں استعمال کریں گے۔ تو وہ
حقیقی استعمال ہوگا۔ ورنہ مجازًا ہوگا۔ پس مشتقات جو ایسے مادہ اور ہیئت ترکیبی سے کہ انہیں سے پہلا بوضع
شخصی موضوع ہے۔ دوسرا بوضع نوعی مرکب ہیں۔ بسبب اس ترکیب کے مبدا پر باعتبار مادہ بوضع شخصی اور
معنی ترکیبی پر بوضع نوعی دال ہیں۔ نیز[1] جب اسطرز پر ہونگے تو استعمال حقیقی اسیصورت میں ہوگا۔ کہ دونوں
وضع متحقق ہوں نہ صرف ایک ہی تحقق ہو تو یہ بھی حقیقی ہی ہوگا۔ البتہ مجاز تین صورتوں میں پایا
جاسکتا ہے۔ ایک جبکہ وضع شخصی نہ ہے۔ دیکھو ناطق اسکے مبدء کا موضوع لہ دراصل بوضع شخصی اور اک
کلیات وجزئیات ہیں جب اسی دال مراد لینگے تو یہ استعمال مجازی ہوگا۔ ایسا ہی جب وضع نوعی کو اٹھا
دیویں۔ دیکھیے قائلہ جب کہ اس سے مقولہ مقصود ہو۔ گو اسمیں قول جو اسکا مصدر ہے اپنے اصل معنے پر
دال ہے۔ مگر باعتبار اسکے کہ اسمیں وضع نوعی منتفی ہوا ہے مجازی ہوگا۔ اگر دونوں کو اٹھا دیویں نیز مجازی
ہوگا۔ دیکھو ناطق سے جسحالت میں مدلول مراد رکھ لینگے کیونکہ ناطق "مدلول" کے لئے نہ تو بوضع نوعی اور نہ
نہ بوضع شخصی موضوع ہے اسلئے منتفسر ہے کہ لفظ متوفیک یا توفیتنی

[1] دیکھو متوفی مشتق ہے اسکا اصل ماخذ وفا ہے اور یہ لفظ تو اپنے معنے پر بوضع شخصی دال ہے۔ رہی ہیئت جو حروف
کے آپس میں ملجانے سے پیدا ہوگی ہر وہ اپنے معنی مرکب پر بوضع نوعی دال ہے جیسا کہ کہیں ہر لفظ جو تفعل کے وزن پر ہو
وہ تین چیزوں کے مجموعہ پر دال ہوگا ایک ماخذ دوم باب کا استناد سوم نسبت الفاعل۔ ظاہر ہے کہ متوفی کا یہی مجموعہ ہے تفعل

[illegible]

وذا لا یوجد الا فی الرفع الجسمی لانحصار الاخذ بتمامه فی هذا الرفع دون الرفع الروحی لانه اخذ ہ ببعضه دون کله فاطلاق التوفی مع کونه محمولاً علی الحقیقة علی الرفع الروحی غیر جائز نعم لو ارید بالتوفی اخذ الشیء مجردًا عن معنی الوفاء والتمام بان یکون عدم الوفاء ماخوذًا فیه او بان لا یکون الوفاء معتبرًا فیه سواء قارنه او لم یقارنه و اعتبار عدم الوفاء یغائر عدم اعتبار الوفاء فحینئذٍ یصح اطلاقه علی الرفع الروحی لکن علی الاول یکون اطلاقه علیه من قبیل اطلاق الکل علی الجزء وعلی الثانی من قبیل عموم المجاز والفرق بین اعتبار عدم الشیء وبین عدم اعتبار ذلک الشیء انما هو بالخصوص والعموم وکل من هذین الاطلاقین اطلاق مجازی لا یصار الیه الا بقرینة صارفة عن ارادة معناه الحقیقی الاصلی والقرینة غیر موجودة فلا بد من ان یحمل علی الحقیقة دون المجاز ومن المعلوم ان مدار کون اللفظ حقیقةً ومجازًا انما هو الوضع مطلقا اعم من ان یکون

صادقًا و یگا تب ہی ہے کہ وہ بجسدہٖ اٹھائے گئے ہوں نہ اگر انکی روح ہی صرف اٹھائی گئی ہو اسلئے کہ خالی روح کا اٹھایا جانا تو تمام پر قبضہ نہیں بلکہ ایک حصہ پر قبضہ ہوا پھر بالنہم اگر کہو گے کہ توفی کا اطلاق رفع روحی پر حقیقی ہے تو یہ ناجائز ہے ہاں اگر یوں کہدیں کہ توفی کا معنے لے لینا ہے مگر اس طرح پر کہ وفا سے مجرد ہے خواہ یوں کہ وفا کا عدم اسمیں اعتبار کیا گیا یا وفا اسمیں معتبر نہیں پھر وفا اسکو کبھی مقارن ہو۔ یا کبھی مقارن نہوتا ہو۔ وفا کے عدم کا اعتبار ایک چیز ہے۔ وفا کے اعتبار کا عدم اور چیز ہے۔ بنا بر اں توفی کا اطلاق رفع روحی پر صحیح ہوگا۔ مگر پہلی صورت میں کل کا اطلاق جزء پر ہوا۔ دوسری صورت میں عموم مجاز ہوگا[1]۔ رہی یہ بات کہ کسی چیز کے عدم کے اعتبار اور اس چیز کے اعتبار کے عدم میں کیا فرق ہے سو یہ فرق ہے کہ پہلا خاص دوسرا عام ہے جو کچھ ہے سو ہے۔ مگر اسمیں شبہ نہیں کہ دونوں تقدیر پر یہ معنے مجازی ہے نہ حقیقی لیکن مجازی لے لینا تو جب ہی جائز ہوتا ہے کہ جب کوئی ایسا قرینہ موجود ہو کہ اسکے ہوتے حقیقی لینا جائز نہو۔ ہاں یہاں اس قسم کا کوئی قرینہ نہیں ہے پھر کہو کہ یہ مجازی لے لینا کیونکر درست ہوگا۔ لہذا حقیقی ہی مراد لینا لازم ہوا نہ مجازی۔ یہ ظاہر ہے کہ حقیقی و مجازی کا مدار وضع ہے۔ خواہ وہ

(۱) عموم مجاز اسکو کہتے ہیں کہ لفظ سے ایک ایسا معنے مراد لیا جاوے کہ وہ حقیقی اور مجازی کو شامل ہو جیسا کہ حضرت مصنف تقدس مآبہ دام ظلہم نے فرمایا ہے کہ اسکو وفا مقارن ہو یا نہ ہو اب جہاں پر مقارن ہوگا وہ حقیقی اور جہاں پر مقارن نہیں ہوگا وہ مجازی کہلائیگا۔ تو یہی عموم کا معنے ہے ۱۲ مترجم

تقسيم اللفظ الى الحقيقة والمجاز لعدم امكان وجود المجاز على هذا التقدير وانما
ادعينا ان لفظ التوفي حيث وقع في القرآن بمعنى الاماتة فانما وقع مع القرينة لا بدونها
فان حمل التوفي على الموت في قوله تعالى حتى يتوفهن الموت بقرينة اسناده الى الموت
وفي قوله عز وجل قل يتوفكم ملك الموت الذي وكل بكم وفي ان الذين توفهم الملئكة
ظالمي انفسهم وفي تتوفهم الملائكة ظالمي انفسهم وفي تتوفهم الملئكة طيبين وفي توفته
رسلنا وفي رسلنا يتوفونهم وفي يتوفى الذين كفروا الملئكة وفي قوله تعالى فكيف اذا توفتهم
الملئكة يضربون وجوههم اسناده الى الملك الموكل في الاول وفي الباقية من اقواله
الشريفة اسناده الى الملئكة القابضة للارواح قرينة صارفة وفي قوله تعالى وتوفنا مع
الابرار سوال المعية بالابرار وفي قوله عز وجل توفني مسلما بين سوال حسن الخاتمة قرينة

بنا بر اسکے تو مجاز ممکن بھی نہیں ہے۔ بیشک ہمارا دعوی کہ قرآن شریف میں جہاں کہیں توفی کا
لفظ بلا قرینہ موت میں مستعمل نہیں کیا گیا ہے۔ ثبوت طلب ہے لیکن ثبوت تو موجود ہے۔ دیکھو یہ آیت
(یتوفہن الموت) یعنے وہ مرتے ہیں لیکن یہاں موت کا قرینہ موجود ہے وہ یہ ہے کہ توفی کو موت کی
طرف اسناد کیگئی ہے۔ نیز اور بھی بہت آیتیں ہیں کہ جنمیں توفّے سے موت ہی مراد ہے۔ مگر ہر آیت میں
موت کا قرینہ موجود ہے (دیکھو یتوفکم الموت۔ ان الذین توفہم الملائکۃ تتوفہم الملائکۃ۔ یتوفہم الملائکۃ
طیبین۔ توفتہ رسلنا۔ رسلنا یتوفونھم۔ یتوفی الذین کفروا الملائکۃ۔ فکیف اذا توفتہم الملائکۃ۔ یعنی تمکو ملک الموت
موت کا مزہ چکھا دیگا۔ وہ لوگ کہ ملائکہ الموت نے انکو موت کا مزہ چکھایا۔ موت کا ذائقہ انکو ملائکہ الموت چکھایا
انکو ملائکہ الموت پاکیزگی کیحالت میں موت کا مزہ دکھا دینگے۔ ہمارے فرستادے نے انکو مارا۔ ہمارے فرستادے یعنی ملک الموت انکو
کافروں کو ملائکہ الموت مارینگے۔ کیا ہوگا جسوقت کہ انکو ملائکہ الموت مارینگے۔ دیکھو ان سب آیتوں میں بلا قرینہ توفی سے موت
نہیں لیگئی۔ دیکھو قرائن۔ پہلی آیت میں ملک الموت کیطرف توفی منسوب ہوئی اور یہی قرینہ ہے اور باقیوں میں قابض
ارواح فرشتوں کیطرف توفی کو اسناد ہے۔ اور یہی قرینہ موت ہے۔ ایسا ہی اس آیت میں (وتوفنا مع
الابرار) جسکا معنے یہ ہے کہ ہمکو مار کر نیکوں کے زمرہ میں داخل کر۔ ابرار کے ساتھ کی التجا قرینہ موت ہے۔
آیت (توفنی مسلما) کا یہ اے خداوند تعالے ہمکو بحالت اسلام مارنا میں حسن خاتمہ کا سوال قرینہ موت ہے

آیت

ان حمل على معنى الاخذ بالتمام الذي لا يكون الا برفع الروح والجسد يكون حقيقة لتحقق مدار الحقيقة من كلا الوضعين وان حمل على معنى لم يندرج فيه معنى الاخذ بالتمام سواء جرد عنه بان يكون عبارة عن مطلق الاخذ او بان يرسل الاخذ ولم يعتبر معه قيد التمام وجد فيه التمام او لم يوجد يكون مجازا لصرفه عن معناه الموضوع له بالوضع الشخصي ومن المقررات والمسلمات ان المصير الى المجاز بلا قرينة صارفة غير جائز فتعين المصير الى الحمل على الحقيقة ودعوى تبادر التوفي في معنى الاماتة وجعل التبادر قرينة لكونه حقيقة في الاماتة غير مسلم لانه لو اريد بتبادره في هذا المعنى التبادر مع عدم القرينة فذلك اول النزاع ولم يوجد في القرآن في موضع من موارد هذا اللفظ استعماله في هذا المعنى بغير قرينة وان اريد به التبادر مع القرينة فذلك مسلم ولكن علامة الحقيقة هي تبادره مع العراء عن القرينة لا مع انضمامها والا يكون كل مجاز مستعمل حقيقة فلم يصح

اسکو کسی معنی پر محمول کریں گے. کونسا معنے اس سے مراد لیں گے. اگر پوری طور پر لے لینا مراد ہے تو یہ روح وجسد دونوں کے اٹھائے جانے کے بغیر نہیں ہو سکتا لیکن یہ استعمال حقیقی ہوگا. کیونکہ حقیقت کا مدار وضع شخصی اور نوعی پر ہے سو وہ پایا گیا ہے۔ اگر ہمیں اخذ کو مراد رکھینگے اور تمامیت کی قید مجرد سمجھینگے خواہ یوں کہ اخذ کے لئے تمامیت کا عدم قید ہے یا مطلق طور پر لینگے یعنی اسکے ساتھ تمامیت کی قید لگی ہو یا نہ تو ان صورتوں میں یہ استعمال مجازی ہوگا۔ اسلئے ان تقدیروں پر لفظ کا موضوع لہ بوضع شخصی سے ہٹانا متحقق ہوگا لیکن یہ بات مسلمات سے ہے کہ حقیقی معنے کو قرینہ صارفہ کے بغیر چھوڑ کر مجازی کو اختیار کرنا ناجائز ہے۔ اور قرینہ یہاں پر موجود نہیں ہے۔ پس لامحالہ حقیقی معنے ہی لینا پڑے گا۔ ہاں یہ جو تم کہتے ہو متوفی سے مارنا معنی سریع الفہم ہے۔ سریع الفہم ہونا ہی قرینہ ہے" نیز مسلم نہیں ہے اس لئے کہ یا تو کہو گے کہ توفی سے بلا قرینہ مارنا مرنا متبادر ہے سو یہ تو پہلا ہی جھگڑا ہے۔ قرآن شریف میں تو کہیں بھی "توفی" اور "متوفی" کا لفظ مرنے مارنے میں بلا قرینہ مستعمل نہیں ہوا ہے۔ یا کہو گے کہ نہیں "توفی" اور "متوفی" سے مرنا۔ مارنا مع قرینہ متبادر ہے۔ البتہ یہ مانا۔ لیکن حقیقی کی نشانی تو یہ ہے کہ وہ بلا قرینہ ہی متبادر ہو نہ مع قرینہ ورنہ سب مجازات حقیقی ہی بن جائینگے۔ لہذا لفظ کی تقسیم حقیقت ومجاز کی طرف صحیح نہ ہوگی کیونکہ

والاناماتہ کلتاهما مرادتان لا بطریق الجمع بین الحقیقۃ والمجاز لما تقرر من امتناعہ فی الاصول ولانہ لیس شیٔ من الاماتۃ والاناماتۃ معنیٰ حقیقیًا للفظ التوفی حتیٰ یلزم ذالک من اجتماعہ مع الاٰخر ولا بطریق عموم المجاز کما فی قول القائل لا یضع قدمہ فی دار فلان فانہ یحنث سواء دخل من غیر وضع القدم کما اذا دخل راکبًا اومع الوضع کما اذا دخل ماشیًا حافیا وسواء دخل فی الدار المملوکۃ لفلان والدار المستعارۃ او المستاجرۃ لفلان ولا یخصص هذا القول بمعناہ الحقیقی حتیٰ ینحصر حنثہ فی الدخول حافیًا وفی الدخول فی الدار المملوکۃ لفلان ولا بالمعنی المجازی حتیٰ ینحصر حنثہ فی الدخول فی غیر الدار المملوکۃ لفلان وفی الدخول غیر حافٍ بل یعم بالدخول مطلقا فی دار فلان بان کانت مسکونۃ لہ سواء کانت تلک السکونۃ بالملک او بالعاریۃ او الاجارۃ ولیس ذالک الا علی سبیل ارادۃ معنی اعم یشتمل علی المعنی الحقیقی والمجازی کلیهما وهذا هو عموم المجاز وارادۃ کلیهما

مگر نہ اسطرح پر کہ اس سے حقیقی و مجازی دونوں اکٹھے مراد لیئے جاویں کیونکہ حقیقت و مجاز کا اجتماع ناجائز ہے۔ دیکھو کتب اصول وغیرہ۔ دوم اسلئے بھی یہاں جمع نہیں ہے کہ مارنا یا سلانا ان میں سے کوئی ایک بھی توفی کا حقیقی معنے نہیں ہے اسواسطے یہ جمع لازم نہیں آتا اور نہ توفی سے مارنا اور سلانا عموم مجاز کے طور پر مراد ہے جیسا کہ کوئی شخص قسم کھاوے کہ میں فلاں مکان میں پاؤں قدم نہیں دھرونگا۔ اب یہ شخص خواہ گھوڑے پر چڑھکر اس میں داخل ہو۔ یا اسطرح جیسا کہ کہا تھا۔ یا وہ مکان اسی کا ملک ہو۔ یا کرایہ پر۔ یا استعارہ کے طور پر ہو بہر حال حانث ہوگا۔ یہ قول حقیقی معنے کے ساتھ خصوصیت نہیں رکھتا ہے۔

پس اس کا حانث ہونا اسی پر موقوف نہیں ہوگا۔ کہ وہ گھر فلاں کا مملوک ہی ہو۔ اور اسمیں ننگے پاؤں ہی داخل ہو بلکہ بہر حال حانث ہوگا۔ ایسا ہی اس کا قول مجازی معنے کے ساتھ خصوصیت نہیں رکھتا ہے تا کہ کہا جاتا کہ وہ جب فلانے کے غیر مملوک مکان میں یا جوتا پہنکے ہی یا سواری پر ہی چڑھکر داخل ہوگا۔ تو حانث ہوگا نہیں تو نہیں بلکہ بہر حال حانث ہوگا۔

خواہ حقیقی معنے پایا جاوے یا مجازی۔ چنانچہ گذراہ آیت مذکورہ میں

توفی سے سلانا۔ مارنا جبکہ بطریق عموم

مجاز بھی نہیں۔ تو لامحالہ

كذالك وفي فاما نرينك بعض الذي نعدهم او نتوفينك فالينا يرجعون قرينة التقابل
اذ ما يعتبر في احد المتقابلين يعتبر عدمها في المتقابل الآخر كما اعتبر الانتقال التدريجي في
الحركة وجودا وعدما في ضدها اعني السكون ولا ريب ان الحيوة معتبرة في نرينك اذ الاراءة
بدون حيوة الرائي غير متصور فيعتبر عدمها في مقابله وهو نتوفينك وفي قوله تعالى
والذين يتوفون منكم ويذرون ازواجا يتربصن بانفسهن اربعة اشهر وعشرا قرينتان
احدهما ويذرون ازواجا والاخرى يتربصن وكذا في قوله تعالى والذين يتوفون منكم
ويذرون ازواجا وصية لازواجهم الاية قرينتان اولهما هي اولهما في الاية السابقة وثانيتهما
لزوم الوصية وكذا التقابل في ومنكم من يتوفى وقيد حين موتها في قوله تعالى الله يتوفى
الانفس حين موتها والتي لم تمت في منامها قرينة على المعنى المجازي وفي هذه الاية الاماتة و

(فاما نرینک بعض الذی نعدہم او نتوفینک فالینا یرجعون) یعنے یا رسول اکرم یا تو ہم آپکو وہ بعض امور کہ
جنکا ہم کافروں کو وعدہ دیتے ہیں دکہا دینگے یا موت کا ذائقہ آپکو چکہائیں گے پہر ہماری طرف لوٹینگے"
اسمیں مقابلہ قرینہ ہے کیونکہ اگر ایک میں متقابلین میں سے کسی چیز کا وجود معتبر ہو تو دوسرے میں اس
چیز کا عدم معتبر ہوتا ہے۔ کیا جانتے نہیں کہ حرکت میں جو سکون کی ضد ہے۔ بتدریج منتقل ہونا معتبر ہے
اور اسکے ضد میں یعنی سکون میں اس انتقال کا عدم معتبر ہے۔ پس چونکہ آیت مذکورہ میں دکہانے (اریت)
کا مقابل نتوفینک (ہم تجہکو ماریں گے) مقرر کیا گیا ہے۔ اراءت میں زندگی کا وجود معتبر ہے۔ تو بالضرور
اسکے مقابل یعنے نتوفینک میں اس زندگی کا عدم معتبر ہوا ورنہ تقابل کیسا ہوگا۔ یہی قرینہ موت ہے اسیطرح
آیات ذیل میں قرائن موجود ہیں (دیکہو والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا وصیۃ لازواجہم۔ والذین یتوفون
منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسہن اربعۃ اشہر وعشرا) یعنے جو لوگ تم میں سے بیبیاں چہوڑ مریں۔ تو وہ
بیبیاں چار مہینہ اور دس دن عدۃ الموت کاٹیں۔ جو لوگ تم میں سے بیبیاں چہوڑ مریں تو انہیں ازواج کے لئے
وصیت کرنا لازم ہے"۔ اب دیکہئے دوسری میں موت کے دو قرینہ ہیں ایک بیبیوں کو چہوڑ مرنا۔ دوم عدت الموت کا
کاٹنا پہلی میں بہی دو قرینہ ہیں ایک بیبیونکو چہوڑ مرنا دوسرا وصیت کا لازم ہونا آیت (ومنکم من یتوفی) میں بہی
تقابل قرینہ ہے۔ رہی آیت (اللہ یتوفی الانفس حین موتہا والتی لم تمت فی منامہا) یعنے خداوند تعالی ارواح کو موت کے وقت
میں لے لیتا ہے" ملخصا۔ اسمیں حین موتہا قرینہ ہے"۔ یاد رکہو کہ اس آیت میں مارنا۔ سولانا۔ دونوں مراد ہیں

ارتفاعها وهو السماع العادی الذی لایمکن الا بقوة جسمانیة عصبانیة ولایقول احد
بتحققه مع انتفاء الحیٰوة فالسماع الثابت بالادلة الشرعیة والعقلیة غیر مرتفع وما هو مرتفع
غیر ثابت وبهٰذا یظهر ان التقابل الذی بین الموت والحیٰوة هو التقابل بالتضاد لکونهما
وجودیین فان کون الحیٰوة امرًا وجودیًا ظاهر واما الموت فلان ترا ثر للامانة والاماتة
لما کانت عبارة عن قطع تعلق الروح بالبدن وایقاع الفصل بینهما وتخریب البدن کان
الموت الذی هو مطاوعها عبارة عن انقطاع ذالک التعلق والانفصال والتخریب وکل
ذالک وجودی ویدل علی کونه وجودیًا قوله تعالی خلق الموت والحیٰوة لان الموت لو کان
عدمیًا لما تعلق به الخلق اذ لا یقال للعدمی انه مخلوق فان الخلق هو الجعل والایجاد و
عدمیة عدم الحیٰوة عدمًا ثابتًا اللازم للموت لا تصیر الموت عدمیًا لظهور عدم استلزام
عدمیة اللازم عدمیة الملزوم الا ترى الی الفلک فانه ملزوم لعدم السکون عند الفلاسفة

وہ سماع جو قوت جسمانیہ کے ذریعہ سے ہے مرتفع ہو جاتا ہے لیکن اسطرز کا کہ مردہ بقوۂ جسمانی سنتے ہیں"
کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ لہٰذا جو مرتفع ہے وہ ثابت نہیں جو ثابت ہے وہ ناپید انہیں۔ اسی تقریر سے
یہ بھی ظاہر ہوا ہے کہ موت وحیٰوۃ کے درمیان تضیض کے طور پر تقابل ہے اسلئے کہ یہ دونوں وجودی ہیں۔
حیٰوۃ کا وجودی ہونا تو بالکل ظاہر ہے۔ رہی موت سو وہ بھی وجودی ہے دلیل یہ ہے کہ مارنا اسکو کہتے
ہیں کہ بدن سے روح کا تعلق جس سے بدن کی زندگی ہوتی ہے ہٹا دیا جاوے۔ اسکا اثر لازم مرنا ہو
چونکہ مرنا اس تعلق کا منقطع ہونا ہے۔ تو یہ بلاشبہ وجودی ہے نیز اسکے وجودی ہونے پر یہ دلیل ہے
کہ بارتیعالی ارشاد فرماتا ہے کہ ہمنے موت کو پیدا کیا ہے" یہ صریح طور پر دلالت کرتی ہے کہ یہ وجودی ہے
اسلئے کہ موت اگر عدمی ہوتی تو خداوند تعالے کا فعل اسکے ساتھ کیونکر متعلق ہوتا کیا کبھی کہا جاتا ہے
کہ فلاں امر عدمی پیدا کیا گیا ہے نہیں کیونکہ پیدا کرنے کا معنے موجود کر دینا ہے۔ سوال
کیوں جائز نہیں کہ باعتبار لازم کے عدمی ہو کیا دیکھتے نہیں کہ عدم الحیٰوۃ اسکو لازم ہے پس اس کا
عدمی ہونا موت کے عدمی ہونے کو مستلزم ہے۔ جواب کہ یہ استلزام غلط ہے دیکھو عدم السکون
آسمان کو عند الفلاسفہ لازم ہے۔ آسمان معدوم نہیں ہے۔ علی ہٰذا القیاس
اور بھی بہت مواقع ہیں کہ لازم کی عدمیت ملزوم کی

لا بهذا الطريق لعدم اعتبار معنى عام يشتمل على المعنى الحقيقي من الاخذ بالكلية والاخذ بالبعضية فاذن كونهما مرادتين ليس الا من حيث ارادة الاخذ بالبعضية بان يراد بالنفي سلب تعلق الروح بالبدن تعلقا يوجب الادراك الاحساسي او تعلقا يوجب الحيوة فان كان الاول مسلوبا بدون الثاني فهذا هو الاماتة وان كان الثاني ومن لوازمه كونه متضمنا السلب الاول فهذا هو الاماتة ودوران ذلك التعلق بين الاحساس وبين الحيوة ليس كدوران الشئ بين النقيضين بل كدورانه بين امرين يكون احدهما اخص والاخر اعم ولذا امتنع وجود التعلق الاول بدون الثاني ويقال وجوبا كل حساس حي بدون عكس كلي فلا تنافي في اجتماع الاحساس والحيوة في الحيوان بل في ارتفاعهما عنه وتضمن رفع التعلق الثاني لرفع التعلق الاول لا يقتضي نفي سماع الاموات اذ سماعهم الذي نحن مثبتوه هو بمعنى ادراك ارواحهم وذلك ثابت بالادلة القطعية لا مجال لاحد في انكاره وهذا لا يرتفع في ضمن ارتفاع الحيوة وما يرتفع في ضمن

اس سے یہ لینا مراد ہوگا مثلاً حیث توفی سے سولانا مقصود ہو تو اس صورت میں کہینگے کہ روح کے تعلق سے جو بدن حساس تھا وہ تعلق مسلوب کیا گیا تو بلاشبہ یہ بھی سولانا ہے اور اگر توفی سے مارنا مراد ہو جیسا کہ ایسا ہی ہے تو یوں کہینگے کہ روح کے تعلق سے جو بدن زندہ تھا وہ تعلق سلب کیا گیا ہے یہ صورت بلاشک اسکو مارنا کہا جائیگا ہاں دوسری میں حس کا سلب بھی معتبر ہے جیسا کہ زندگی کا حکم لیکن یہ خیال رکھنا کہ یہ تعلق حس اور زندگی کے درمیان بطور تردید دائر ہے جسطرح کہ کوئی امر خاص و عام کے درمیان مردد ہوتا ہے یہ نہ سمجھنا کہ یہ تردد اسطرز پر ہے کہ جسطرح شئ نقیضین کے درمیان مردد ہے کیونکہ اگر وہ تعلق جس سے احساس کا وجود ہوتا ہے دوسرے تعلق کے بغیر (یعنی وہ تعلق کہ جس سے زندگی ہوتی ہے) موجود نہیں ہے تو یوں کہنا کہ ہر حساس زندہ ہے صادق ہے اور یہ کہنا کہ ہر زندہ حساس ہے غلط ہے کیونکہ بعض زندہ (جیسے سوئے ہوئے) حساس نہیں ہیں سوال کی تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ مردہ میں حس باقی نہیں رہتا ہے اسلئے لازم آیا کہ وہ سنتے بھی نہوں آپکے جواب کی ہماری تقریر سے مردونکا نہ سننا ثابت نہیں ہوتا ہے کیونکہ انکا سننا بمعنے ادراک روحانی ہے جو کہ ادلہ قاطعہ شرعیہ سے ثابت ہوا ہے اس قسم کا سماع مرنے سے مرتفع نہیں ہوتا ہے البتہ سننے کی ضمن میں

ف [1] بعض لوگ حنفیوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت صاحب فتح القدیر وغیرہ محققین حنفیہ میں سے فرماتے ہیں کہ مردے نہیں سنتے ہیں تو اے حنفیو تم کیوں سماع موتے کے قایل ہو حضرت مصنف فضیلت مآب نے اسکو بھی رد کیا کہ صاحب فتح وغیرہ مطلقاً سماع موتے کے منکر نہیں ہیں بلکہ قوت جسمانیہ سے سننے کے منکر ہیں نہ کہ ادراک روحانی سے بھی انکاری ہیں ۱۲ مترجم

بین الرفعین لا بتم التقریب فعلی هذا یقال ان من نودی وخوطب بالضمائر هو عیسیٰ علیه السلام فیکون المنادی والمتوفی والمرفوع والمطهر من الکفرة وفائق الاتباع ایاه علیه السلام فیترکب القیاس من الشکل الاول من ان عیسیٰ هو المصداق للمتوفی المفهوم من الآیة والمصداق له هو المصداق لصیغة من وقع علیه فعل الرفع فینتج ان عیسیٰ هو المصداق للمرفوع وهذا عین ما ادعیناه من ان المرفوع هو شخصه لا روحه فقط وایضا لو کان روح عیسیٰ مرفوعا دون جسده الاطهر لوقع جسده فی ایدی الکفرة ولحصل مرادهم ولاهانوه فلم یصح قوله تعالیٰ ومطهرك من الذین کفروا فان الاماتة لیس تخلیصا وتطهیرا من الاعداء بل تحصیلا لمرادهم وایصالا لهم الیٰ مناهم وغایة متمناهم فهل یصح لمن له فهم مستقیم وعقل سلیم ان یفهم من الرفع فی هذه الآیة الرفع الروحانی وهل لا یعد ذلك المستنبط من ارباب الجهالة ولعمری ان هذا الشیء عجیب یتعجب منه کل لبیب واستدل ایضاً بقوله تعالیٰ

زید کے کپڑے کے اٹھائے جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہاں پر بھی خود زید کا رفع مراد نہ ہو بلکہ کپڑے کا مثلاً اسلئے کہ خود شئے کا رفع اور ہے۔ اسکے متعلق کا اور ہے۔ بنا بر علیہ ثابت ہوا کہ آیت (یا عیسیٰ انی متوفیك الخ) میں منادا اور ضمائر کا مرجع خود مسیح علیہ السلام ہے نہ خالی روح جب خود مسیح ہی منادا اور مرجع ہوئے تو متوفی۔ مرفوع۔ مطہر۔ فائق الاتباع بھی آپ ہی ٹھہرے نہ صرف روح۔ اب ہم اس سے پہلی شکل بنائیں گے مسیح علیہ السلام پر بھی متوفی کا مفہوم صادق آتا ہے جس پر یہ صادق ہے اسی پر ہی مرفوع کا مفہوم بھی صادق ہے نتیجہ مسیح علیہ السلام ہی پر مرفوع کا مفہوم صادق ہے" اور یہ بعینہ وہی ہے جو ہم دعویٰ کرتے ہیں۔

دوسری دلیل اگر مسیح علیہ السلام کی صرف روح ہی مرفوع ہوئی ہوتی تو آپ کافروں کے ہاتھوں سے کیسے بری اور مطہر ٹھہرتے۔ بلکہ جسد لطیف تو کافروں کے ہی اختیار میں رہتا اور کافروں کا مقصود یہی تھا حالانکہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ ای مسیح ہم تجھکو کافروں کے اختیار سے الگ اور پاک کرینگے" پس اگر خالی روح مرفوع ہوئی ہو تو باریتعالیٰ کا یہ ارشاد کیسا درست ہوگا لہذا رفع روحی غلط ٹھہرا اور مسیح علیہ السلام کا بجسدہ مرفوع ہونا ثابت ہوا کیونکہ جب جسد رفع مراد لیں گے تو مسیح علیہ السلام بلا شبہ بالکل کافروں کے اختیار سے نکل گئے اور پاک ہو گئے" اسلئے آیت مذکورہ سے رفع روحی مراد رکھ لینا بے علمی اور عجیب تر ہے۔

کادیانی اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ اس آیت کا مضمون یہ ہے۔ کہ وہ بیان کرتے ہیں

ولا یلزم یکون لازمہ ھٰذا عدمیا کون الفلک عدمیا ونظائرہ اکثر من ان تحصر وھٰذا ما قلنا من ان التوفی لیس حقیقۃ فی الاماتۃ لان الاماتۃ لا یوجد فیہا الاخذ بالتمام بل لاخذ فی الجملۃ بخلع صورۃ نوعیۃ عن الجسم الحیوانی ولبس اخری مینصّا ق بفصل الروح عن البدن فباعتبار وجوب حمل اللفظ علی الحقیقۃ یکون قولہ عز وجل یٰعیسٰی انّی متوفّیک دلیلا لنا لا لہ ویؤیدہ العطف بقولہ ورافعک الیّ اذ المراد بہ الرفع الجسمانی والا فما وجہ تخصیصہ بعیسی علیہ السلام لعموم الرفع الروحانی لکل مومن وحملہ علی ا ھٰذا الرفع العام مستدلا بقولہ عز وجل یرفع اللہ الذین اٰمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات غیر صحیح لان المذکور فی تلک الاٰیۃ ھو رفع المسیح نفسہ وفی ھٰذہ الاٰیۃ رفع الدرجات ولا یخفی الفرق بین رفع الشیٔ نفسہ وبین رفع درجاتہ کما ھو بین قولک رفعت زیدا وبین رفعت زیدا ثوبہ او بیتہ او شیئا اٰخر مما یتعلق بہ ومع ثبوت التغائر

عدمیت کو نہیں. پس ثابت ہوا کہ آیت مذکورہ میں جو توفّی ہے وہ مارنے میں حقیقی طور پر مستعمل نہیں ہے اسلئے کہ مار دینے میں پوری طور پر لے لینا نہیں پایا جاتا ہے بلکہ مار دینے میں صرف بدن سے روح الگ کرکے اٹھائی جاتی ہے اور یہ گویا ایک حصّہ کا لے لینا ہے نہ پوری شئے کا لے لینا لیکن لفظ کا بصورت عدم قرینہ حقیقی معنے پر محمول کرنا جبکہ واجب ہوا تو آیت (یا عیسےٰ انی متوفیک الخ) ہمارے لئے دلیل ہوئی نہ کہ قادیانیوں کے لئے. اسکا ہمارے لئے دلیل ہونے کو رافعک الیّ کا اسپر معطوف ہونا قوت بخشتا ہے. اسواسطے کہ اس رفع سے رفع جسمانی مراد ہے ورنہ خاصکر مسیح علیہ السّلام سے کیا اس رفع روحی کو خصوصیت تھی جو اس آیت میں انکی روح کا مرفوع ہونا بیان کیا جاتا ہے. سوال چونکہ خداوند تعالےٰ فرماتا ہے کہ خدا ایمان داروں اہل علم کے درجات کو (مرفوع) بلند کرتا ہے تو اس سے سمجھا جاتا ہے. کہ خود ایماندار اور اہل علم مرفوع نہیں ہوتے ہیں بلکہ انکے درجات مرفوع اور بلند کئے جاتے ہیں. پس رفع مسیح سے بھی خود مسیح کا رفع مراد نہیں ہے بلکہ رفع روحی. الجواب دلیل مفید مطلب نہیں ہے. کیونکہ آیت سابقہ میں خود مسیح علیہ السّلام کا رفع مذکور ہے اور اس آیت میں رفع درجات کا ذکر کیا گیا ہے. ظاہر ہے کہ رفع درجات اور خود شئے کے رفع ہونے میں غیریت ہے اسلئے رفع درجات سے رفع جسمانی ثابت نہیں ہوگا. دیکھو کہا جاتا ہے کہ ہم نے زید کو اٹھالیا ہے یا مثلاً زید کا کپڑا. یا اور کچھ جسے زید کے ساتھ تعلق ہو. اٹھالیا ہے. آیا اس صورتیں

ايمانهم بكونهم شاكين كان قبل ان مات عليه السلام والحاصل انهم والحال ان عيسى حي اي قبل
ان مات كانوا شاكين في قتله ولم يكن حصل لهم قطع لقتله بل كانوا قبل انه مات يوقنون بشكوكهم
قتله وفي هذا الاستدلال انظار شتى اما النظر الاول على التوجيه الاول فلان حمل الرفع في
الاية على الرفع الروحاني غير صحيح لان الكلام وقع بطريق قصر الموصوف على الصفة على نحو قصر
القلب هذا مشروط بتنافي الوصفين كما اذا خاطب المتكلم رجلا بعكس ما يعتقد مثل
ما قام زيد بل قعد لمن يظن بقيامه وظاهر ان القيام والقعود متنافيان واشتراط
التنافي اعم من ان يكون شرط الحسن او لاصله ومن ان يكون التنافي في نفس الامر او في
اعتقاد المخاطب على حسب تعدد الاراء وانما كان قوله تعالى وما قتلوه يقينا بل رفعه الله
اليه على نحو قصر القلب لانهم كانوا يدعون ان عيسى مقتول فقلبهم الله تعالى بعكس ما ادعوا
من انه مرفوع لا مقتول كما زعموا فيجب التنافي بين وصفي القتل والرفع وذا ابا الاية

آپکے مرتبے پہلے ہی اپنے اس شک پر یقین رکھتے تھے" اب دیکھئے کہ استدلال پر کئی اعتراض وارد ہوتے ہیں۔ اولاً کہ رفع سے روحانی مراد لینا غلط ہے اسلئے کہ اس آیت میں مسیح علیہ السلام وصف مرفوعیت میں بطور قلب وعکس کے محصور کر دیئے گئے ہیں لیکن اس حصر اور قصر کے لئے اوصاف کی منافات شرط ہے۔ مثلاً ایک شخص اعتقاد رکھتا ہے کہ زید قائم ہے۔ دوسرا شخص اس سے مخاطب ہو کر کہدیا کہ زید قائم نہیں بلکہ بیٹھا ہے پس دیکھئے یہاں پر متکلم نے ایسا بیان کیا کہ وہ مخاطب کے عقیدہ کا قلب وعکس ہو۔ ظاہر ہے کہ کھڑا ہونا۔ بیٹھنا یہ دو صفتیں آپس میں منافات بغیر شبہ رکھتی ہیں۔ یہ شرط منافات عام طور پر لی جاتی ہے۔ خواہ قصر وحصر کی بہترائی کے لئے یا نفس حصر کیواسطے شرط ہو نیز واقع میں منافات ہو۔ یا اعتقاد میں۔ یہی یہ بات کہ وہ آیت کہ جسکا مضمون یہ ہے کہ انہوں نے مسیح کو یقیناً قتل نہیں کیا۔ بلکہ خداوند نے انکو اپنی طرف اٹھا لیا ہے" بطور قصر قلب کے وارد کی گئی ہے سو اسکی وجہ یہ ہے کہ اہل کتاب دعویٰ کرتے تھے کہ مسیح مقتول کئے گئے ہیں۔ تو خداوند تعالیٰ نے انکے گمان کے برعکس فرمایا کہ مسیح تو صرف مرفوع ہوئے ہیں قتل نہیں ہوئے۔ اب ظاہر ہے کہ مسیح علیہ السلام کو وصف مرفوعیت میں قصر کر دیا گیا ہے۔ مگر قلب وعکس کے طور پر پس ضرور ہوا کہ قتل اور رفع میں منافات ہو۔ لیکن یہ منافات

توجب ہی متصور ہے کہ

وقولهم انا قتلنا المسيح ابن مريم رسول الله وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم
وان الذين اختلفوا فيه لفي شك منه ما لهم به من علم الا اتباع الظن وما قتلوه يقينا بل رفعه الله
اليه وكان الله عزيزا حكيما۔ وان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته ويوم القيامة
يكون عليهم شهيدا حيث حمل الرفع على الرفع الروحاني وقال برجوع الضمير المجرور
المتصل بالباء في قوله تعالى ليؤمنن به الى كونهم شاكين غير متيقنين بكون عيسى مقتولا
مصلوبا وبرجوع الضمير المتصل بقوله موته الى الكتابي ثم وجه بتوجيهين آخرين وحكم
على كليهما بالصحة والصواب الاول ان لفظ الايمان مقدر في قوله تعالى قبل موته اي
قبل الايمان بموته فيكون معنى الآية ان كل كتابي يؤمن بان قتل عيسى مشكوك فيه
قبل ان يؤمن بموته الطبعي الذي وقع في الزمان الماضي والتوجيه الثاني ان كل كتابي كان يؤمن
ويقول قطعا بانهم شاكون في قتل عيسى وليس قتله الا على سبيل الشك والظن وذلك اي

کہ ہم نے مسیح مریم کے فرزند کو قتل کر دیا ہے۔ حالانکہ انہوں نے نہ تو انکو قتل کیا اور نہ صلیب پر چڑھایا۔ ہاں
شبہ میں ڈالے گئے ہیں۔ جن لوگوں نے اختلاف کیا وہ البتہ انکے قتل کے بارہ میں شک میں پڑے
ہوئے ہیں انکو اس پر یقین حاصل نہیں ہے صرف خلاف واقع کی تابعداری کرتے ہیں مسیح علیہ السلام کو انہوں
نے قتل نہیں کیا بلکہ خداوند تعالے نے انکو اپنی طرف اٹھا لیا ہے۔ اللہ تعالی غالب حکمت والا ہے [illegible]
کوئی بھی اہل کتاب میں سے مگر کہ اس پر ایمان لاوے گا۔ اسکے مرنے سے پہلے۔ وہ قیامت کے دن انپر گواہ ہوگا
[illegible] استدلال کادیانی پہلی آیت میں رفع روحی مراد رکھتا ہے۔ بہ کا بیان ہے کہ اہل کتاب مسیح علیہ السلام کے مقتول
و مصلوب ہونے میں شک [illegible] ہی ضمیر بہ کا مرجع ہے۔ موتہ کی ضمیر اہل کتاب کی طرف راجع ہے اسکے بعد دو توجیہیں کرتا
ہے پہلا کہ قبل موتہ میں ایمان کا لفظ مقدر ہے [illegible] تو یہ آیت کا معنے یہ ہوا کہ ہر ایک کتابی مسیح کی طبعی موت پر جو
زمانہ ماضی میں واقع ہو چکی ہے ایمان لانے سے پہلے آپکے مشکوک القتل ہونے پر ایمان رکھتا ہے۔ دوسری توجیہ کہ
ہر ایک کتابی یقینا جانتا ہے کہ ہم مسیح کے مقتول ہونے کے بارہ میں شک میں ہیں۔ اس شک پر انکا ایمان مسیح
علیہ السلام کے مرنے سے پہلے تھا۔ گویا مسیح ابھی زندہ ہی تھے کہ انکو آپکے مقتول ہونے میں شک تھا اور وہ آپکے مرنے

له صفحہ [illegible] کادیانی صاحب کہتے ہیں کہ ہو اللہ الذی [illegible] میں بھی توفی سے مراد موت ہی ہے۔ سو اسکا جواب یہ ہے کہ یہاں
[illegible] یہ ہے کہ یہاں توبیخ مقصود ہے اسی واسطے ہو الذی یرزقکم یا یحییکم [illegible] نہیں فرمایا گیا۔ اور یہ
[illegible] سلہ کادیانی صاحب پر عجیب ہے کہ اور کوئی اگر مقدر کا نام لے تو اسکو محرف کہتے ہیں۔

الاول المشکوکیة قتل عیسیٰ دون عیسیٰ لیس باولی من ارجاعه الیه فاختیاره علیه مع
لزوم مخالفة السلف والخلف ترجیح بلا مرجح بل ترجیح للمرجوح وهذا افحش من ذلک
مع انه یکون المعنی علیٰ هذا ان کل کتابی یؤمن بان المسیح مشکوک القتل وان قتله
لیس بقطعی کما اوضح بنفسه وهذا المعنی لا یستقیم لان اتیانهم بمضمون قتل عیسیٰ
فی عنوان الجملة الاسمیة وتاکیده بان صریح فی کونهم متیقنین بقتله ولذا رد الله عز
وجل ادعائهم هذا بقوله عز وجل وما قتلوه یقینًا اذ لو لم یکن لهم الاذعان لکفی فی
ردهم وما قتلوه ولم یزد علیه قید یقینًا فالقول بانهم لم یکونوا متیقنین بل کانوا شاکین
فی قتله قول بالغاء قید یقینًا فی قوله تعالیٰ وما قتلوه یقینًا لخلوه عن الفائدة علیٰ هذا التقدیر
وادعاء ان قید یقینًا قید للقتل المنفی فی وما قتلوه فیکون النفی واردًا علی القتل المقید
بهذا القید والنفی علیٰ هذه الوتیرة کما یتحقق ویصح بانتفاء القید کذلک یصح بانتفاء
المقید والقید کلیهما وههنا کذلک فان القتل مع التیقن منتف لا ینفعه ولا یجدیه من لزوم

مشکوکیۃ القتل کی راجع کرنے سے اس ضمیر کا طرف مسیح علیہ السلام کے پھیرنے سے اولیٰ نہیں ہے چنانچہ ظاہر ہے
پس مشکوکیۃ کو مرجع بنانا باوجود اسکے کہ سلف و خلف کے برخلاف ترجیح بلا مرجح بلکہ ضعیف کو ترجیح دینا ہے۔ یہ
ترجیح پہلی ترجیح سے بدتر ہے علاوہ آیت کا معنے اس تقدیر پر یوں ہوگا کہ ہر ایک کتابی ایمان رکھتا ہے
مسیح علیہ السلام کا مقتول ہونا شکیہ ہے انکا مقتول ہونا یقینی نہیں ہے چنانچہ کادیانی اسی بات کو خود
واضح کر رہا ہے۔ حالانکہ یہ معنے درست نہیں ہے کیونکہ انھوں نے مسیح علیہ السلام کا مقتول ہونا جملہ اسمیہ کے
لباس میں بیان کیا ہے۔ اور پھر اسکو موکد بھی کر دیا ہے پس صراحتًا اسپر دال ہے کہ وہ مسیح کے مقتول ہونے پر اذعان رکھتے
ہیں آخر اسیواسطے تو خداوند تعالیٰ نے انکی تردید کی کہ انھوں نے مسیح کو یقینًا قتل نہیں کیا ابھی اگر انکو مسیح کے قتل ہونے پر اذعان
نہ ہوتا تو خداوند تعالیٰ اتنا ہی فرمادیتے کہ انھوں نے مسیح کو قتل نہیں کیا اور یقینًا کی قید نہ بڑھاتے پس یہ کہنا کہ انکو یقین اذعان
نہیں ہے یہ صاف طور پر اسبات کا اقرار ہے کہ قرآن شریف میں یقینًا کی قید لغو ہے نعوذ باللہ منہا … مرزا صاحب
اگر یہ دعویٰ کرینگے کہ اس آیت میں جو یقینی مذکور ہے وہ تو منفی قتل کی قید ہے تو گویا یہ نفی قتل مقید پر وارد ہوئی ہے
پس نفی جیسے کہ قید کے اٹھ جانے سے منتفی ہوتی ہے ویسے ہی قید و مقید دونوں کے اٹھ جانے سے منتفی ہو جاتی ہے
یہاں ایسا ہی ہے کیونکہ یقینی قتل منتفی ہے سو اس آیت کا معنے یوں ہوگا کہ انکا متیقن قتل نہیں پایا گیا ہے لیکن ہم کہتے ہیں کہ …

الا اذا كان مرفوعًا حالكونه حيًّا اذ منافاة الرفع حال الحيوٰة اى الرفع الجسمانى للقتل ظاهر بديهى لا يحتاج الى تنبيه فضلا عن دليل واما اذا كان الرفع رفعًا روحانيا فلو جوز اجتماع الرفع مع القتل لا يتحقق التنافى بين الرفع والقتل لان كل احد يعلم قطعا ان من قتل فى سبيل الله فهو مرفوع بالرفع الروحانى باجماع المذاهب فحينئذ يجب اجتماعهما مع ثبوت الاجتماع النفس الامرى بل والاعتقادى ايضًا ارتفع التنافى رأسًا فلم يصح القصر ولم يحسن فاما ان يقر بكون هذا الكلام نزل ردًّا لزعم اهل الكتاب فيلزمه الاقرار بكون قصر القلب فيجب تنافى وصفى القتل والرفع باحد الوجهين ويكون الرفع رفعًا جسمانيا واما ان يقر بعدم وجوب التنافى بين الوصفين فى قصر القلب وهذا هدم للقواعد العربية وبالجملة لابد له اما من القول برفعه عليه السلام حيًّا واما من الخروج عن العربية فايهما شاء فليختر والنظر الثانى ان ارجاع الضمير

مسیح علیہ السلام بجسدہٖ مرفوع ہوئے ہوں۔ کیونکہ رفع جسمانی بداہتہً منافی قتل ہے۔ مگر جب رفع سے روحانی رفع مراد لیا گیا۔ جیسا کہ قادیانی کا بیان ہے تو وہ قتل سے منافی نہیں ہے۔ کیا دیکھتے نہیں کہ جو شخص خدا کی راہ میں قتل کیا جاتا ہے۔ تو اس کی روح مرفوع ہوتی ہے۔ پس جبکہ قتل کی حالت میں رفع روحانی پایا گیا ہے۔ تو منافات کہاں رہی جس حالت میں یہ دونوں واقع میں بلکہ عقیدہ میں بھی مجتمع ہوئے ہیں تو منافات سرے سے ہی اڑ گئی۔ بنا برآں آیت میں جو قصر کے طور پر فرمایا گیا ہے خود قصر ہی غلط ہوگا۔ یا بہتر نہیں ٹھہریگا۔ نعوذ باللہ۔ لہٰذا قادیانی پر دو باتوں میں سے ایک کا اقرار کرنا لازم ہے۔ یا تو کہیگا کہ آیت اہل کتاب کی تردید کرتی ہے۔ لیکن اس صورت میں قصر قلب کا قتل و رفع میں منافات کا اقرار کرنا ہوگا۔ پس مسیح علیہ السلام کا بجسدہٖ مرفوع ہونا بھی ماننا پڑے گا۔ یا کہیگا کہ قصر القلب میں دو صفتوں کے درمیان منافات کا ہونا ضروری نہیں۔ مگر اس صورت میں کلام عربی کے قواعد کا انہدام لازم آتا ہے۔ یہ خلاف عربیت ہونا لازم آوے گا۔ مختصراً قادیانی کو اس سے گریز نہیں ہو سکتا۔ یا تو مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بجسدہٖ مرفوع ہونے پر ایمان لانا پڑیگا یا تو عربیت سے منحرف ہوگا۔ پس دو میں سے جسے چاہے اختیار کرے۔ دوسرا اعتراض

مرجع ضمیر کا

كيف يجوز ويمكن منهم الشك في قتل عيسى عليه السلام ومع وجود هذا الدليل لا ينبغي
ان ينسب اليهم جميعهم الشك في قتله وقول الله عز وجل وان الذين اختلفوا فيه لفي شك منه ما لهم
بذلك من علم الا اتباع الظن مؤول بان المراد بالشك ليس ما يتساوى طرفاه كما اصطلح
عليه المنطقيون بل المراد من الشك المذكور ما يقابل العلم ومن العلم الحكم الجازم الثابت المطابق
لنفس الامر وعلى هذا لا تنافي بين شكهم وادعائهم قتل عيسى عليه السلام فيكون معنى
وان الذين اختلفوا لفي شك منه اي لفي حكم غير مطابق للواقع وان كان حكمهم بذلك حكما
جازما ولكن لعدم مطابقته لنفس الامر لا يعد علما بل شكا وليس لهم بذلك علم اذ لا بد
فيه من المطابقة في نفس الامر فهم انما يتبعون الظن اي الحكم الغير المطابق لنفس الامر فيكون
مآل الشك والظن واحدا ولو اريدا بالمعنى المصطلح لاهل المعقول لم يتحد مصداقهما

معہذا یہ کہنا کہ مسیح علیہ السلام کے قتل ہو جانے پر اذعان نہیں رکھتے ہیں کیا صریح بہتان ہے۔ باوجود اس
روشن دلیل کے سب کیطرف شک کو منسوب کرنا کیونکر متصور ہے۔ شاید ایسے لوگوں کو اس آیت سے دھوکا
(مضمون یہ ہے کہ وہ لوگ کہ مختلف ہوتے البتہ قتل کے بارے میں شک میں ہیں۔ نہیں انکو اسکا اذعان
مگر کہ ظن کی تابعداری کرتے ہیں) وہم پیدا ہو گیا ہو گا۔ سو واضح رہے کہ شک جو اس آیت میں مذکور ہے وہ
منطقیوں کے طور پر نہیں ہے "منطقی تو شک اسکو کہتے ہیں۔ کہ جسکے دونوں جانب برابر ہوں"[1]۔
بلکہ شک سے آیت میں ضد علم مراد ہے جسے حکم جازم مطابق واقع کہتے ہیں مختصرا کہ شک سے ضد یقینی مطلوب
ہے پس اس لحاظ سے مسیح علیہ السلام کے مقتول ہوجانے کے بارہ میں انکے شک کنندہ اور متیقن ہونے میں منافات
نہیں ہے بریں تقدیر آیت کا معنے یوں ہوگا کہ وہ لوگ جو مختلف ہوئے البتہ قتل کے بارہ میں شک میں ہیں
یعنی البتہ وہ ایسے خیال میں گرفتار ہیں کہ جو خلاف واقع ہے گو وہ لوگ یہ حکم بزعم خود قطعا وجزما لگاتے ہیں۔
لیکن چونکہ وہ در اصل مطابق واقع نہیں علم و یقین نہیں ہے بلکہ شک ہے کیونکہ یقین کے لئے یہ ضروری ہے کہ
مطابق واقع ہو پس بلاشبہ وہ ظن کے تابعدار ہیں یعنی اس خیال اور حکم کے تابعدار ہیں جو واقع کے مطابق نہیں
اسلئے شک اور ظن کا مآل اور مرجع ایک ہی ہوا۔ اگر شک و ظن کو منطقیوں کی اصطلاح کے موافق لینگے تو ان دونوں
کا مصداق ایک نہیں ہو سکتا

---

[1] جیسے کہ زید کے قائم ہونے کا خیال ہو ویسے ہی اسکے قائم نہ ہونے کا بھی خیال ہو اور کسی جانب کو ترجیح نہ ہو اسے منطقی شک کہا کرتے ہیں ۱۲ مترجم

الغاء القيد بكفاية نفى اصل القتل فى ردهم مع انه يخالف القاعدة الاكثرية من ان النفى الوارد على المقيد يتوجه الى القيد فحسب على انه لم يوجد دليل على انهم قالوا بهذه الجملة من غير صميم القلب كما وجد على كون قول المنافقين لرسول الله صلى الله عليه وسلم نشهد انك لرسول الله من غير صميم القلب فكيف يصح ان هذا القول منهم مع كونهم شاكين من قبيل اظهار خلاف ما كانوا عليه لئلا يتوجه ايراد لزوم الالغاء على السائل المستدل بل وجد الدليل على انهم كانوا بقتله مذعنين فيما يدل عليه صريح عبارة القرآن ان النصارى قديما وحديثا يدعون بذلك ويدعون الناس الى الايمان بذلك ويزعمون ان وقوع قتله عليه السلام كان كفارة لذنوب امته مع انه كان ذلك مكتوبا فى انجيلهم وانكاره بطريق التحريف لكنهم لايمانهم بالانجيل وزعمهم عدم التحريف فيه

ان لن ترانیوں کے یقیناً کی قید کا فائدہ مند ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ پھر بھی کادیانی کو اس قید کے لغو ہونے کا مقر بننا پڑے گا۔ اولاً کہ انکی تردید کے لئے نفس قتل اور بلا قید ہی کی نفی کافی تھی۔ دوم یہ بات اکثری قاعدہ سے مخالف ہے وہ قاعدہ یہ ہے کہ نفی جب مقید پر وارد ہوتی ہے تو وہ نفی صرف قید کیطرف متوجہ ہو جاتی ہے علاوہ براں یہ کسی دلیل سے ثابت نہیں ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ جملہ (انا قتلنا المسیح الخ) بلا اذعان ہی کہہ دیا ہے جیسا کہ دوسری ایک آیت میں بلا اذعان کہہ دینے پر دلیل موجود ہے۔ اس آیت کا مضمون یہ ہے کہ منافقین کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں یا محمد کہ آپ بلاشبہ خداوند تعالیٰ کے رسول ہیں "یہی دعوی کرنا کہ اہل کتاب نے باوجود یکہ شک میں پڑے ہوئے ہیں" اپنے عقیدہ سے مخالفانہ کہہ دیا ہے کہ مسیح کو قتل کیا ہے "کیسے بلا دلیل قبولیت کے قابل ہے۔ البتہ اگر اس پر کوئی دلیل ہوتی تو یقیناً کی قید کا لغو ہونا لازم نہ آتا مگر دلیل تو نادارد ہے اسلئے کادیانی لغو ہونیکے الزام سے نہیں بچتے۔ ہاں اسپر تو دلیل موجود ہے کہ وہ لوگ مسیح کے مقتول ہو جانے پر اذعان کر بیٹھے ہیں "دیکھو قرآن کی عبارت ہی پہلی شاہد عادل ہے۔ دوم نصارا اور فرقوں کو اسی بات کیطرف بلاتے ہیں کہ آؤ مسیح کے مقتول ہونے پر ایمان لاؤ اور یہ اس گمان سے کہتے ہیں کہ مسیح امت کے گناہوں کے بدلہ قتل کیا گیا ہے۔ حال یہ ہے کہ یہ بات انکی انجیل میں بھی لکھی ہوئی ہے گو تحریف کے طور پر ہی ہو لیکن وہ اسپر اسلئے اذعان کر بیٹھے ہیں کہ وہ انجیل کو

هم لا يشعرون وخلاصة الاشكال الذي ورد عليه على تقدير ارجاع الضمير الاول
الى الشك اما لزوم الغاء القيد في الآية واما حمل قولهم انا قتلنا المسيح بن مريم على خلاف
الظاهر مع وجود ما يوجب حمله على الظاهر فمن التزم الاول فقد كفر وان الثاني فقد
تمارى فبايهما شاء فليختر وثالث الانظار ان في هذا التوجيه تكلفا بحيث لا يتبادر
الذهن الى رجوع الضمير الى ما ادعى رجوعه اليه مع انتشار الضمير وذلك مخل لكمال
فصاحة القرآن و الرابع ان المعنى على هذا التقدير يؤول الى انهم يصدقون بمشكوكية
قتله ولما كان الشك والمشكوكية متحدين لزم كون التصديق متعلقا بالشك الذي
هو تصور سواء اريد بالشك مفهوم الشك او مصداقه لان كلا منهما تصور لا محالة
وسواء اريد بالتصديق الادراك الاذعاني الذي هو من جنس الادراك او الحالة

کہو چکے ہیں۔ غرضکہ اعتراض مذکور کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر پہلی ضمیر کو شک کی طرف پھیرینگے تو یا قید کا لغو ہونا
لازم آویگا۔ یا یوں کہنا پڑیگا کہ یہ آیت جس کا معنے یہ ہیں کہ وہ اعتقاد کر بیٹھے ہیں کہ ہمنے مسیح علیہ السلام کو قتل
کرڈالا ہے" اپنے ظاہر معنے پر محمول نہیں۔ حالانکہ ظاہر پر محمول ہونے کا بھی موجب موجود ہے۔ پس جو
لوگ پہلو کا التزام کریں گے تو یہ کفر ہے۔ اگر دوسرے کو اختیار کریں گے تو یہ نادانی ہے۔ اب ان دونوں میں سے
جس کو چاہیں خوشی سے اختیار کرلیں۔ تیسرا اعتراض کہ یہ توجیہ تکلف محض ہے۔ کیونکہ جسکی طرف تم ضمیر کو راجع کرتے
ہو یہ رجوع ہرگز متبادر نہیں ہے۔ نیز اس قسم کے ارجاع سے انتشار ضمائر لازم آتا ہے۔ قرآن شریف میں
انتشار ضمائر کا قائل ہونا ایک ایسے عیب پر از فصاحت قرآن کو بٹہ لگانا۔ چنانچہ ظاہر ہے۔ اور جب یہ بھی
کچھ باطل ہوا تو ہمارا ثابت ہوا چوتھی بحث کہ جب بطور جبر ضمیر کا مرجع مانا جاوے تو آیت کا معنے یہ ہوگا
کہ اہل کتاب مسیح علیہ السلام کی مقتولیت کے مشکوک ہونے پر تصدیق رکھتے ہیں اور شک و مشکوکیہ چونکہ ایک ہی
بات ہے تو تصدیق کا شک سے تعلق پکڑنا لازم آتا ہے۔ یہ شک جو ایک قسم کا تصور ہی
ہے اسکے لفظ کا مفہوم ہی شک سے مراد رکھ لیں یا جس پر وہ شک صادق آتا ہے وہی
مقصود رکھیں اسلئے کہ شک کا معنے اور اس کا مصداق دونوں تصور ہی
ہیں عام اس سے کہ تصدیق علم الیقینی جو مطلق ادراک و تصور کا قسم
ہے" مقصود ہو۔ یا وہ حالت کہ بعد ادراک کے

المتبادر بينهما الوجوب رجحان احد طرفي الظن اي الطرف الموافق وعدمه مطلقا في
الشك وهذا ظاهر واطلاق الشك والريب على غير المعنى المصطلح لهم مما يقابل العلم اليقيني
شائع وفي القران واقع قال عز وجل وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا اطلق الريب
على انكارهم وقولهم الجازم بانه كلام البشر وبانه شعر وكهانة يدل على ذلك قوله تعالى
فلا اقسم بما تبصرون وما لا تبصرون انه لقول رسول كريم وما هو بقول شاعر قليلاً
ما تؤمنون ولا بقول كاهن قليلا ما تذكرون تنزيل من رب العالمين فلو كانوا شاكين في
كونه كلام الله تعالى بالشك المصطلح لما وقعت هذه التاكيدات من كون الجملة اسمية و
تاكيدها بان وبالقسم فهذه دلالة بينة على شدة انكارهم لكونه كلام الله تعالى البالغ
الى حد الجزم بانه كلام غير الله وكذا اطلاق الظن عليه قال تعالى ان يتبعون الا الظن و

کیونکہ انکے نزدیک ظن[1] وہ خیال ہے کہ طرف موافق قوی ہو۔ اور شک میں انکے نزدیک مطلقاً رجحان نہیں
جیسا کہ ظاہر ہے۔ رہی یہ بات کہ قرآن شریف میں کہیں بھی شک کا معنے برخلاف منطقیین کے لیا گیا ہے سو
واضح ہو کہ قرآن مجید میں یہ بات موجود ہے۔ دیکھو خداوند تعالےٰ فرماتا ہے کہ اگر تم لوگ قرآن کے بارہ میں
بیچ انکار میں پڑ گئے ہو الخ۔ آپ دیکھو کہ اس آیت میں جو ریب بمعنے شک ہے انکے انکار۔ انکے حکم بالجزم پر کہ "یہ خدا
کی کلام نہیں ہے بلکہ کسی بشر کی ہے شعر کہانت ہے" اطلاق کیا گیا ہے۔ اسپر خداوند تعالےٰ کی یہ
کلام دلالت کرتی ہے کہ ہم ان چیزوں کی قسم کھاتے ہیں جنہیں تم دیکھتے اور جنہیں تم نہیں دیکھتے ہو۔ کہ قرآن
فرشتہ جبرئیل کے مونہ سے نکلا ہے کسی بشر کی کلام۔ شاعر کی کلام نہیں ہے تھوڑے ہی لوگ ایمان لاتے ہیں
اور نہ یہ کاہن کی کلام ہے تھوڑے ہی لوگ ہیں جو نصیحت قبول کرتے ہیں یہ قرآن نازل ہوا ہے۔ پس اس
آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اگر قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں شک کنندہ بایں معنے ہوتے کہ
جو شک کا معنے منطقی کرتے ہیں۔ تو خداوند یہ تاکیدیں یعنی اوّل فرماتا یہ ہو کہ جملہ اسمیہ بیان فرمایا۔ دوم انّ کو ذکر کیا۔
سوم قسم۔ پس بلاشبہ یہ اسپر دلالت کرتی ہے کہ انکا انکار قرآن شریف کے کلام الٰہی ہونے سے اس حد تک پہنچا ہے
کہ انھوں نے یقین کر لیا ہے کہ یہ غیر اللہ کی کلام ہے اسی طرح ظن کا بھی اسی خیال پر جو خلاف واقع ہو اطلاق کیا
ہوا ہے دیکھئے وہ آیت جسکا ماحصل یہ ہے کہ وہ صرف ظن کی تابعداری کرتے ہیں۔ اور وہ صرف

[1] چنانچہ ایک شخص زید کے قائم ہونے پر غالب گمان رکھتا ہے گو اسکے قائم نہ ہونے کا بھی اسکو ضعیف سا گمان ہے
اسکو منطقیین ظن کہتے ہیں ۱۲ مترجم

قبل الشخص مع الایمان بموتہ الطبعی مما یستحیل ولا خفاء ایضًا فی ان لقتلہ علیہ السلام طرفین وجودہ وعدمہ فاذا کان مشکوکًا یجب ان لا یذعن باحد جانبیہ مطلقًا ولا بما یندرج فی ذالک الجانب وظاہر ان الموت الطبعی یندرج فی عدم القتل اندراج الاخص تحت الاعم لشمولہ الحیوۃ والموت الطبعی کلیھما فتجویز الشک فی قتلہ من الاذعان بموتہ الطبعی من اجلی البدیھیات لان تساوی طرفی الشک مع رجحان احدھما غیر ممکن وھذا مما یعلم کل من لہ ادنی فھم فلو کان مراد ھذہ الآیۃ ما قال القادیانی علم حصل بنزولھا وای فائدۃ من فوائد الخیر ترتبت علیھا فتدبر وعلی ان حمل ھذہ الآیۃ علی ما حملت فقول بان ھذہ الآیۃ مبینۃ لبعض اجزاء الماھیۃ للشک وھذا کانہ ادعاء ان القرآن بین المعانی المصطلح للقوم کما ان الکافیۃ والشافیۃ والتھذیب وامثالہا

جب ایک شخص کی طبعی موت پر یقین ہو تو اسکے مقتول ہو جانے میں شک کا ہونا محالات سے ہے ظاہر ہے کہ مسیح علیہ السلام کے مقتول ہو جانے کے دو جانب ہیں ایک کہ قتل نہیں ہوئے۔ دوم کہ قتل ہو گئے ہیں۔ پس جبکہ آپکا قتل ہو جانا مشکوک ہے۔ تو واجب ہوگا کہ نہ اس پر کہ وہ قتل ہو گئے ہیں۔ اور نہ اس پر کہ وہ قتل نہیں ہوئے" یقین ہو۔ اور نیز اسپر جو عدم القتل میں مندرج ہے یقین نہ ہو۔ لیکن یہ بات واضح ہے۔ کہ طبعی موت عدم القتل میں مندرج ہے۔ ہاں یہ اندراج ایسا ہے۔ کہ خاص عام میں مندرج ہوتا ہے۔ اسلئے کہ عدم القتل جیسے کہ زندگی کو شامل ہے ویسے ہی طبعی موت کو شامل ہے۔ لہذا لازم ہوا کہ جس صورت میں کہ مسیح علیہ السلام مقتول ہو جانے میں شک ہو تو آپکی طبعی موت پر یقین نہ ہو۔ اور یہ بالکل بدیہی ہے کیونکہ شک کے لئے جانبین کی تجویز کا برابر ہونا ضروری ہے اور صرف ایک جانب پر یعنے عدم القتل پر یقین کرنا محال ہے۔ چنانچہ کم درایت پر بھی مخفی نہیں ہے۔ بنا براں اگر آیت سے وہی مراد ہے جو کادیانی سمجھتے ہیں تو کہئے کہ اس آیت کے نازل ہونے سے کیا فائدہ ہوا۔ اس چیز پر کونسے فوائد مرتب ہوئے۔ علاوہ براں اگر اس آیت کو کادیانی کی ہی مراد پر محمول کریں تو اس سے لازم آویگا کہ اس آیت میں شک کی ماہیت کے بعض اجزاء بیان کئے ہیں۔ لیکن یہ ایسی بات کا دعویٰ ہے۔ کہ قرآن نے وہ معانی بیان کئے ہیں جو قوم کے مصطلح ہیں۔ پس اس صورت میں لازم آویگا کہ قرآن بھی کافیہ۔ شافیہ۔ تہذیب کی مانند ایک

الادراكية الاذعانية التي هي من لواحق الادراك وتعلقه بالتصور مطلقا باطل كما تقرر
في مقره ولكن تعلقه بالشك حال كون التصديق من جنس الادراك افحش من تعلقه به
على تقدير كونه من لواحقه لانه على هذا يكون الشك معلوما والتصديق ادراكا وعلما
به وقد ثبت بالبرهان عندهم اتحاد العلم بمعنى الصورة العلمية بالمعلوم فلزم اتحاد
التصديق والشك مع انهما متباينان والنظر الخامس ان الشك المصطلح عبارة عن التردد
بين طرفي النسبة من الوجود والعدم على التساوي اي ادراك النسبة مع تجويز طرفيها من
غير اذعان باحد جانبيها فالمعنى الذي اراد الكاتب من ان اهل الكتاب يؤمنون بشكهم
في قتل عيسى قبل الايمان بموته الطبعي يرجع الى ان شكهم في قتله حاصل من غير اذعان
بموته الطبعي لان من لوازم القبلية ان لا يوجد البعد حين حدوث القبل ولان الشك في

پیدا ہوتی ہے جسے دانش کہتے ہیں" مطلوب ہو۔ لیکن تصدیق کا بہر حال تصور یعنے شک سے
متعلق ہونا باطل ہے۔ چنانچہ یہ بات ثابت ہے ہاں تصدیق کا شک سے اس صورت میں متعلق
ہونا۔ کہ تصدیق جنس تصور سے مان لیں بہت فحش ہے۔ اس صورت سے کہ تصدیق کو یعنے دانش
لیں۔ وجہ یہ ہے۔ کہ جب تصدیق کو تصور کا ہی قسم سمجھکر شک سے متعلق جان لیں تو شک معلوم ہوگا
اور پھر تصدیق کو بہ نسبت شک کے علم قرار دینا پڑے گا۔ حالانکہ دلیل سے ثابت ہو کہ علم تصور و صورت[۱۵]
علمیہ کے معنے سے معلوم کے ساتھ متحد ہوتا ہے۔ لہذا لازم آیا کہ تصدیق اور شک ایک ہی بات ہو حالانکہ یہ
صریح غلط ہے کیوں غلط نہ ہو کہ تصدیق و شک آپس میں غیریت رکھتے ہیں۔ پانچویں بحث کہ شک صطلاحی
جب ہی متحقق ہوگا۔ کہ نسبت کے طرفین میں تردد ہو یعنے یہ ایسا ہے یا ایسا۔ لیکن دونوں میں سے
کسی جانب کو ترجیح نہ ہو۔ بلکہ طرفین کی تجویز برابر ہو۔ میں کادیانی کی یہ تفسیر کہ اہل کتاب کو نسبت قتل مسیح علیہ السلام
کے طبعی مرنے سے پہلے ایمان رکھتے ہیں" اس طرف کو راجع ہوگی کہ اہل کتاب کا اس قسم کا شک بغیر
اذعان اسکے کہ انکو مسیح علیہ السلام کی طبعی موت پر یقین ہونا موجود تھا"۔ کیونکہ تقدم کیلئے لازم
ہے کہ مابعد مقدم پیدا ہونیکے زمانہ میں موجود نہو۔ نیز

---

۱۵ - جب انسان کا مثلاً علم حاصل ہوتا ہے۔ تو یوں ہوتا ہے۔ کہ اسکی ماہیت اور صورت ذہن انسان میں ہوتی ہے
پس اس صورت کو صورت علمیہ کہتے ہیں ۱۱ مترجم

الایمان بالنسبة الی وصف الکفر دون سائر الاوصاف فلکون المراد من الآیة سلب
الکفر عن جمیعهم واثبات نقیضه من الایمان لجمیعهم کذالک وحصرهم فی ذالک النقیض
یجب صدق الایمان علی الکتابی صدقاً کلیا بان یقال کل کتابی یؤمن به فهذه قضیة
موجبة محصورة کلیة فاذا حمل قوله عزوجل وان من اهل الکتاب الا لیؤمنن به قبل
موته علی ما حمله فهذا التوجیه یکون معناه کل کتابی یؤمن بمشکوکیة قتله علیه السلام قبل ان
مات ومع قطع النظر عن لزوم حمل المضارع علی الماضی والاغماض عن مفاد النون الثقیلة من
معنی الاستقبال اما ان یخص هذا الحکم ببعض اهل الکتاب الموجودین فی زمانه قبل رفعه
وهذا مناف للقاعدة المارة انفا واما ان یعم للموجودین منهم قبل رفعه وبعده الی یوم القیامة

انحصار صفت کفر کی طرف نسبت کر کے ہے۔ نہ اور اوصاف کے لحاظ سے۔ پس مراد الآیة صفت الکفر
کا تمام اہل کتاب سے مسلوب ہونا۔ سب کے لئے صفت الایمان کا ثابت ہونا ہے۔ لاغیر اس سے صاف طور
پر واضح ہوگیا ہے کہ یہ انحصار اضافی ہے۔ کیونکہ اہل کتاب جو صفت ایمان میں منحصر کر دیئے گئے ہیں تو صرف کہ
صفت محض کی طرف نسبت کر کے اوصاف کے لحاظ سے۔ لہذا مفاد الآیة یوں ہوا کہ سب اہل کتاب ایمان میں
نہ کفر میں منحصر ہونگے۔ اور صفات انمیں پائے جائیں یا نہ۔ پس سب اہل کتاب سے وصف کفر جو بمقدر ہے سلب
کر دیا گیا۔ ہاں کا منافی یعنی ایمان ہی کو ثابت کر دیا گیا۔ جب یہ سمجھ گئے کہ تمام اہل کتاب صفت ایمان میں منحصر ہونگے تو لازم آئیگا
کہ صفت ایمان تمام کتابیوں پر صادق آنا چاہئے جیسا کہ کہیں کہ ہر ایک کتابی اسپر ایمان لاویگا۔ اسلئے یہ قضیہ
موجبہ محصورہ کلیہ بنا۔ جب کہ ہم آیت مذکورہ سے وہ مراد رکھ لیں جو کادیانی بیان کرتے ہیں تو اس تقدیر پر
یہ معنی ہوگا۔ کہ سب اہل کتاب مسیح علیہ السلام کے قتل کی مشکوکیت پر انکے مرنے سے پہلے ایمان لائیں گے۔
حالانکہ یہ معنے مردود ہے گو ہم اس سے قطع نظر کریں کہ اس طرز پر صیغہ مضارع کا ماضی پر محمول کرنا لازم
آتا ہے۔ اس سے بھی اغماض کریں کہ نون تاکید ثقیلہ معنی استقبال کو چاہتا ہے۔ مگر اور طرز پر جو اعتراض وارد ہوتا ہے
وہ بالتصریح بیان کریں گے وہ یہ ہے کہ یہ حکم خاص ان ہی بعض اہل کتاب کے لئے ہے۔ جو مسیح علیہ السلام کے زمانہ اور انکی
مرفوعیت سے پہلے موجود تھے لیکن یہ تو قاعدہ مذکورہ مسلمہ سے مخالف ہے۔ کیونکہ قاعدہ سے لازم آیا تھا
کہ یہ حکم کل کتابیوں کے واسطے ہے نہ بعض کے واسطے یا یہ کہو گے کہ یہ عام اہل کتاب کے لئے ہے جو
جو آپ کے زمانہ میں آپ کی مرفوعیت سے پہلے موجود تھے اور وہ جو اس کے بعد قیامت تک موجود

كذالك فهل يتفوه به عاقل واما على التوجيه الثاني فيرد عليه ما عدا الخامس من
الانظار المذكورة كلها ويرد عليه خاصة ايضا ان سلب الاوصاف بتمامها عن
فرد فرد من افراد شئ ثم اثبات صفة معينة لها كما يقتضي انحصار ذالك الشئ في تلك
الصفة وهذا انحصار حقيقي كذالك سلب وصف معين عنها سواء كان مقدرا او
ملفوظا ثم اثبات منافي ذالك الوصف يقتضي انحصار الشئ في المنافي للوصف المسلوب
وهذا انحصار اضافي وكلا هذين الحصرين نوعا حصر الموصوف في الصفة واما انحصار
الصفة في الموصوف بالانحصار الحقيقي فبوجودها في الموصوف وانتفائها عن جميع ما عداه
وبالانحصار الاضافي فبوجودها فيه وانتفائها عن بعض ما عداه فقط ومن المعلوم بالبداهة
صدق المحصور فيه على المحصور الكلي كليا وفي الآية انحصار اضافي لانحصار اهل الكتاب في

کتابیہ میں حالانکہ اس امر کا کوئی عقلمند قائل نہیں ہے۔ اسپر کادیانی کی دوسری توجیہ سو اس پر بھی پانچویں
بحث کے سوا سب بحاث مذکورہ وارد ہوتے ہیں البتہ اس دوسری توجیہ پر خاصۃ یہ بحث وارد ہے کہ
یہ ایسا ہے کہ تمام اوصاف کا سلب کسی شیٔ کے ہر ہر فرد سے کردینا۔ پھر خاص صفت انکے واسطے ثابت کرنا جیسا کہ
اسے لازم آتا ہے کہ وہ افراد موصوفہ اسی صفت میں منحصر ہو جائیں"۔ اسی طرح ان افراد سے خاص صفت کا
سلب کردینا خواہ وہ صفت ملفوظ ہو مقدر ہی ہو۔ بعد ازاں کوئی ایسی صفت جو مسلوب کے منافی ہو ان
افراد کو ثابت کرنا" اس کو چاہتا ہے کہ وہ موصوف اس مسلوب کے منافی میں منحصر ہو۔ پہلے کا نام حصر
حقیقی دوسرے کا نام حصر اضافی ہے لیکن یہ دونوں موصوف کے صفت میں منحصر ہونے کے لئے
دو قسم ہیں۔ اب صفت کا موصوف میں بطور انحصار حقیقی کے" وہ اسواسطے کہ وہ صفت صرف اسی موصوف
میں متحقق ہے نہ غیر میں۔ صفت کا موصوف میں بطور انحصار اضافی کے منحصر ہونا سو اسلئے ہے کہ وہ صفت
تو اس موصوف میں پائی جاتی ہے۔ لیکن اسکے کل اغیار سے منفک نہیں ہوتی۔ بلکہ بعض میں پائی جاتی ہے
اور بعض میں نہیں۔ پس چونکہ بعض ہی کیطرف نسبت کرکے منحصر ہے تو یہ حصر اضافی اور نسبتی ہوا۔ پر ظاہر
ہے کہ جس میں کوئی چیز منحصر ہو وہ اسپر جو اس میں کلیۃ منحصر ہے کلی طور پر صادق آتا ہے۔ اب دیکھئے
کہ آیت (جسکا مضمون یہ ہے کہ نہیں ہے کوئی ایسا بھی اہل کتاب میں سے۔ مگر وہ ایمان لاوے گا۔)
میں اہل کتاب صفت ایمان میں منحصر کر دیئے گئے ہیں۔ لیکن یہ

امثال هذه الدعاوی ومن خصائلہ انه اذا اخذ بالقرآن تمسك بالانجیل واذا الزم بالانجیل یعجز الی القرآن واذا بهما تشبث بالعقل وان بکل منها تذیل بالکشف والالهام فان طولب بدلیل یدل علی صدق کشفه تبهت وتحیر وتنکس او هو مثیل للمریض حتی الموت لیس بحی فیرجی ولا میت فیلقی او نظیر للنعامة اذا استطیر تباعر واذا استحمل تطائر فانقول بفضل الله تعالی ان المعنی الصحیح للآیة المذکورة الذی لا یرد علیه شیء من تلك الانظار هو انهم قالوا انا متیقنون بقتل المسیح بن مریم فردهم الله عزوجل بانهم ما قتلوه وما صلبوه فکیف یتصور تیقنهم بقتله لانه لابد للعلم الیقینی من مطابقته لنفس الامر واذا لم توجد المطابقة لم یتحقق الیقین بقتله فحکمهم بهذا النحو من القطع و

عقلیہ اعتراضات سابقہ قاطعہ وارد ہوتے لامحالہ ایسے مدعیوں کے خصائل سے یہ بات ہے کہ اگر ان کے مقابلہ پر قرآن پیش کرتے ہیں تو انجیل طلب کرتے ہیں جب انجیل سامنے رکھتے ہیں تو قرآن طلب کرتے ہیں۔ جب دونوں پیش کئے جاویں تو عقل کے طالب ہوتے ہیں۔ پھر عقل بھی اگر پیش کیجاوے تو کشف لا بیٹھتے ہیں۔ تو پھر جب اس کشف پر دلیل طلب کیجاتی ہے تو سرنگوں متحیر ہو جاتے ہیں غرضکہ وہ لوگ نہ ادھر کے رہتے نہ اُدھر کے رہتے۔ ہر ایک دربار سے انکو دھکے ملتے ہیں۔ یا یوں کہئے کہ یہ لوگ شتر مرغ کے مثیل ہیں۔ اسپر جب بوجھ ڈالنا چاہیں تو اُڑنے والا جانور بن بیٹھتا ہے۔ اگر اسے اُڑانا چاہیں تو اونٹ کہلاتا ہے۔ یا یوں کہ ایسے لوگ اس مریض کے مثیل ہیں جسے مرض الموت نے گرفتار کیا ہو نہ وہ زندہ اور نہ مُردہ ہے۔ اور کسی نبی کے مثیل نہیں ہیں۔ خیر جو ہیں سو ہیں۔ ہمکو اس سے کیا غرض ہے۔ ہاں ہم اب یہ بیان کریں گے کہ جس طرح پر کہ ہم اور سلف و خلف آیت (انا قتلنا المسیح الخ) سے سمجھتے ہیں جو اس طرز پر اعتراضات مذکورہ میں سے ایک اعتراض بھی وارد نہیں ہوتا۔ وہ یوں ہے کہ اہل کتاب نے کہا کہ ہم مسیح علیہ السلام کے مقتول ہو جانے پر یقین رکھتے ہیں سو اللہ عزوجل نے انکی تردید فرمائی کہ انھوں نے مسیح کو نہ تو قتل کیا اور نہ صلیب پر چڑھایا۔ پس کیونکر مسیح کے قتل ہو جانے پر انکو یقین کر بیٹھنا متصور ہو اسلئے کہ علم یقینی کے لئے تو یہ ضروری ہے کہ واقع سے مطابق ہو۔ کیا ہو سکتا ہے کہ واقع سے مخالف ہو اور پھر بھی یقینی ہو۔ ہرگز نہیں۔ لہذا انکا یہ دعوی کہ ہم قتل کے بارہ میں متیقن ہیں باوجودیکہ در اصل انکو یقین حاصل نہیں ہے" بلاشبہ

وهذا يؤدي الى تجويز وجود من لم يوجد حال عدم وجوده لامتناع تقرر الصفة
بدون موصوفها وفيه تجويز لمعية النقيضين وكذا يرد عليه ان حمل موته الذي هو مصدر
على الماضي من غير داع مخصص تكلف لا يرتضيه ارباب الفهم ويرد على توجيهه كلا
المعنيين ونسبة كل منهما الى الكشف والالهام ان احد المعنيين باطل لا محالة اذ التوجيه
الثاني قوى الاحتمال في الخصوص لا هونية خلاف القاعدة من اجتماع النقيضين و
الاول لا يتمشى فيه سوى العموم والعموم والخصوص مما يتغائران فان سلم التوجيه الاول
انتفى التوجيه الثاني وان الثاني ارتفع الاول فاحد الكشفين لو فرض بالهام من الرحمن
يكون الآخر بالهام من الشيطان اذ لو كان كلاهما بالهام الله تعالى لما وقع التخالف بينهما
فالحق ان كلا الكشفين من الكشوف الكاذبة الشيطانية لا من الكشوف الصادقة الرحمانية
والا لم يرد على كل منهما نقوض شرعية قاطعة وايرادات عقلية ساطعة فالله اعلم بشانه

ہو لئے جائیں گے مگر اس سے تو پھر اور ہی محال لازم آویگا۔ اسلئے کہ اب یہ تجویز کرنا پڑیگا کہ ایک چیز
جو وجود نہیں وہ موجود ہونے کی حالت میں موجود ہو۔ ابھی جب تم مسیح علیہ السلام کے مرجانے کے قائل ہو
اور اس حدیث کے معنے یہ ہوئے ہیں کہ مسیح علیہ السلام کے مرنے سے پہلے ہی تمام کتابی ایمان لا چکے ہیں تو صاف لازم
آیا کہ جو اس زمانہ میں موجود نہیں تھے سو وہ بھی آخر جب سب کے لئے موت المسیح سے پہلے ہی صفت الایمان ثابت
کیا گیا تو اس صفت کا موصوف بھی تب ہی موجود ہونا چاہئے ورنہ لازم آویگا کہ صفت بغیر موصوف کے متحصل ہو۔ یہ
تجویز گویا اجتماع النقیضین کو جائز کر دینا ہے۔ نیز اسپر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہاں مصدر کو بلا موجب ماضی پر
محمول کرنا پڑتا ہے حالانکہ یہ بناوٹ ہی صاحبان فہم کے نزدیک ناپسند ہے۔ رہی یہ بات کہ مستدل دونوں معنوں کو اپنی طرف سے
اچھا کہتا ہے اور دونوں کو اپنے کشوف سے مؤید کرتا ہے سو واضح رہے کہ بالضرور دو معنوں میں سے ایک تو بالکل باطل
ہے بسبب اسکے کہ دوسری توجیہ اور معنی میں زیادہ تر خصوص کا ہی احتمال ہے کیونکہ اگر عموم لیا جاوے تو اجتماع النقیضین
لازم آتا ہے جیسا کہ گذرا۔ پہلی توجیہ میں خالی عموم ہی ہے اور ظاہر ہے کہ عموم و خصوص دونوں آپس میں متغائر ہیں پھر
اگر پہلی توجیہ کو تسلیم کریگے تو بالضرور دوسری مردود ہوگی اگر دوسری کو مان لینگے تو لامحالہ پہلی مردود ہوگی۔ اب کہو کہ
اگر ایک کشف کو الہام رحمانی سے ہی فرض کر لینگے تو دوسرا بالبداہت شیطانی ہوگا اسلئے کہ اگر دونوں الہام اللہ سے ہوتے
تو ان میں تخالف نہ ہونا چاہئے تھا۔ لہذا حق یہی ہے کہ یہ دونوں ہی رحمانی نہیں ہیں ورنہ کیوں ان دونوں پر [illegible]

صیغۃ المضارع والنون الثقیلۃ التی تدل علی استقبالیۃ مدخولها بالاجماع من
اهل اللغۃ ولم یرد علیہ شیٔ من النقوض فالذی ذکرناہ من المعنی هو المحکوم علیہ
بالصحۃ الصافی عن شوائب الایرادات کاف لدفع الاشکالات یؤمن بہ المنصف
المناظر وان اعرض عنہ الجاهل المجادل المکابر واستدل ایضا بطریق الالزام علی اهل
الاسلام القائلین بحیٰوۃ المسیح علیہ السلام بان کل من یؤمن بوجود السمٰوٰت یؤمن
بتحرکها علی الاستدارۃ فلو کان علیہ السلام علی السماء للزم تحرکہ بتحرکها فلم یتعین لہ
جهۃ الفوق بل علی هذا قد یصیر تحتا وقد یصیر فوقا فلا یتعین لہ النزول ایضا
اذ النزول لا یکون الا من الفوق وایضا یلزم کونہ فی الاضطراب وعدم القرار دائما
ما دام هو فی السماء وهذا نوع من العذاب والجواب ان جهۃ الفوق تطلق حقیقۃ علی منتهی

صیغہ مضارع اپنے ہی معنے پر رہا۔ نون ثقیلہ جو مدخول کے استقبال پر بالاجماع دلالت کرتا ہے اپنے ہی
طور پر رہا۔ اس معنے پر اعتراضات سابقہ میں سے کوئی اعتراض بھی وارد نہیں ہوتا۔ کما ہو الظاہر بالتأمل
الصادق۔ لہذا جو معنے ہمنے بیان کیا ہے اسکو صحیح کہنا زیبا ہے اور اسکے برخلاف الہامات و کشوف
کو کنہہ روپیہ بیوپار نہ ماننا لازم ہے۔ یہی معنی تمام اشکالات کے دور کرنیکے لئے کافی ہے۔ اسپر بالضرور منصف
مزاج ایمان لاویگا۔ گو کوئی بے انصاف اور بیعلم جھگڑالو اس سے انحراف کرے۔ قادیانی کا اور بھی استدلال
الزام کے طور پر ہے کہ ہر ایک جو آسمان کے موجود ہونے پر ایمان رکھتا ہے اسکا یہ عقیدہ ہے۔ کہ آسمان کی
حرکت استدارت پر ہے۔ پس مسیح علیہ السلام کو اگر آسمان پر زندہ مان لینگے تو واضح طور پر لازم آویگا۔ کہ مسیح
بھی آسمان کی حرکت سے متحرک ہوں۔ پس انکا فوق اور اوپر ہونا متعین نہیں ہوگا۔ یا یوں کہئے کہ انکی لئے جہت
فوق متعین نہیں ٹھہریگا۔ بلکہ اس تقدیر پر مسیح کا کبھی نیچے اور کبھی اوپر ہونا ثابت ہوگا۔ لہذا نزول بھی
متعین نہیں ہوگا کیونکہ نزول فوق سے ہوتا ہے اور فوق ہی جب متعین نہیں تو نزول کا کہاں ٹھیکانا ہے
نیز اس صورت میں مسیح کا جبتک کہ آسمان پر ہیں عذاب میں اور اضطراب میں گرفتار ہونا لازم آویگا الجواب
واضح ہو کہ یہ استدلال موٹی اور سرسری نظر والونکو جلدی جچ جاویگی۔ چنانچہ ایسے لوگوں کے قابو زیادہ
تر اسی قسم کے لوگ آتے ہیں۔ لیکن جو نیکبخت باریک بین ہیں وہ ایسے استدلالات کو کوڑی سے بھی
نہیں خریدتے ہیں" تقریر الجواب کہ در اصل فوق کا اطلاق اس لئے حظ کے

ادعاء الیقین مع انتفاء العلم الیقینی بر شبهة عرفته وجهل مرکب یفسر بالحکم الغیر المطابق الثابت فی نفس الامر فهم فی شك منه ای فی حکم لم یطابق الواقع ولیسوا علی الیقین بل هم یتبعون الظن والجهل المرکب لانهم ما قتلوه ای انتفی قتله انتفاء یقینیا بان یکون قوله یقینا قیدًا للنفی لا للمنفی بل رفعه الله الیه بالرفع الذی ینافی القتل وهو الرفع الجسمانی دون الرفع الروحانی لا ینافی القتل بل یجامعه فی نفس الامر وفی اعتقاد المخاطب وکان الله عزیزًا لا یعجزه شیٔ عن رفعه علیه السلام مع جسده حکیما فی صنع رفعه ولیس احد من اهل الکتاب الا لیؤمنن به ای بعیسی قبل موته ای قبل موت عیسی سواء کان ایمانه نافعًا له کالایمان فی حالة غیر الباس او لم یکن نافعا له کایمانه فی حالة الباس والایمان فی غیر حالة الباس اعم من ان یکون قبل نزول عیسی او حین نزوله فهذا المعنی قد روعیت فیه

جہل مرکب ہے۔ کیونکہ جہل مرکب کا معنے یہی ہے کہ خلاف واقع ایک حکم لگایا جاوے تو پس وہ اسکے بارہ میں شک میں مُبتلا ہیں۔ یعنے ایسے حکم میں کہ وہ خلاف واقع ہے۔ نہیں انکو یقین حاصل۔ بلکہ ظن اور جہل مرکب کے تابعدار ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ انھوں نے مسیح علیہ السلام کو قتل نہیں کیا یعنے قتل کا نہ پایا جانا یقینی ہے۔ ایسا اسواسطے ہے۔ کہ یقینا نفی (ما) کی قید ہے نہ منفی (قتلوہ) کی۔ (بل رفعہ اللہ) بلکہ خداوند عزاسمہ نے مسیح کو اپنی طرف اٹھا لیا ہے لیکن وہ اٹھا لینا کہ وہ (بجسدہ) منافی قتل ہے نہ وہ کہ اسکا منافی نہیں یعنے رفع روحی۔ کیونکہ رفع روحانی واقع اور اعتقاد مخاطب میں قتل کے ساتھ مجتمع ہوتا ہے (وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا) خداوند تعالے کو مسیح (علیہ السلام) کے بجسدہ مرفوع کرنے سے کوئی چیز عاجز کرنے والی نہیں (حکیما) خدا حکمت والا ہے رفع کے کام میں۔ نہیں کوئی ایک بھی (من اهل الکتاب الا لیؤمنن به) اہل کتاب میں سے مگر کہ مسیح پر ایمان لائینگے۔ انکے مرجانے سے پہلے ہی خواہ وہ ایمان انکے لئے نافع ہی ہو جیساکہ حالت حیات میں یا نافع نہو جیساکہ مرگ کی حالت میں اور یہ ایمان کہ جو مرگ کی حالت میں نہیں وہ اس سے عام ہے کہ مسیح علیہ السلام کے اُترنے سے پہلے ہو یا انکے اُترنے کے بعد ہو۔ پس اس معنے میں غور کرو۔ کہ اسمیں ہر حال ایمان کی حفاظت ہے۔ دیکھو ایک تو

محدب دائما ومركز العالم مركز دائما لا تغير ولا تبدل فيهما وعلى هذا يقال ان المسيح
عليه السلام لما كان في السماء الثانية فلا ريب في انه ابعد من المركز واقرب الى المحدب بالنسبة
الى من هو على وجه الارض فيكون فوق منهم على الارض وان سلمنا تحركه
بتحرك السموت فلا يلزم عدم تعيين جهة الفوق له عليه السلام بل مادام هو في السماء
متصف بالفوقية بالنسبة الى سكان الارض جميعا فاذا اراد الله تعالى نزوله انتقل من
مقره السماوي من محدب السماء الثانية بحيث يتزائد البعد فيما بينه وبين محدب
فلك الافلاك آنا فآنا من البعد الذي كان بينهما ويتناقص كذالك البعد فيما بينه
وبين مركز العالم من البعد الذي كان حيث هو في مقره الى ان يصل الى سطح الارض وانت
تعلم ان الحركة من المحدب الاعلى وما يقربه الى جانب مركز العوالم هو النزول كما ان
الحركة من جانب ذلك المركز الى جانب ذلك المحدب هو العروج فلم يلزم من تحركه

نہیں ہوسکتا وجہ یہ ہے کہ فلک الافلاک کا طرف اعلیٰ ہمیشہ اعلیٰ ہے اور مرکز عالم دائما مرکز ہی ہے
نہ انمیں تغیر اور نہ تبدل ہوتا ہے۔ پس بنا بریں کہا جاسکتا ہے۔ کہ مسیح علیہ السلام چونکہ دوسرے
آسمان پر ہیں۔ تو وہ بہ نسبت مرکز کے زیادہ تر بعید ہیں زمین کے باشندوں کی نسبت فلک
الافلاک سے طرف بالا سے زیادہ تر قریب ہیں۔ لہذا مسیح علیہ السلام زمین کے باشندوں
سے فوق ہونگے۔ گو انکا متحرک ہونا آسمانوں کے متحرک ہونے سے تسلیم کر لیا جاوے۔ اب
دیکھئے کہ جہت فوق متعین نہ ہوا بلکہ جبتک کہ مسیح علیہ السلام آسمان پر ہیں تب تک باشندگان
زمین سے فوق ہی کہلائیں گے۔ پھر جب کہ خداوند تعالیٰ انکے نزول کا ارادہ فرمائیگا۔ تو یوں ہوگا
کہ مسیح علیہ السلام دوسرے آسمان کی طرف بالا سے حرکت کرینگے یہانتک آنا فانا انکا فلک الافلاک کی طرف
بالا سے بہ نسبت سابق بعد بڑھتا جاویگا اور وہ بعد جو انکو مرکز سے تھا گھٹتا جاویگا یہانتک کہ زمین کی سطح پر آ
ٹھہرینگے اور اسیکو نزول کہتے ہیں کیونکہ یہ بات مسلم ہے کہ فلک الافلاک کی طرف بالا یا اوس طرف پر
سے جو مرکز سے نزدیک ہے حرکت کرنیکو نزول کہتے ہیں جیسا کہ مرکز عالم سے فلک الافلاک کی طرف بالا کی
طرف حرکت کرنے کا نام عروج ہے۔ پس آسمانوں کے بتدارت
پر متحرک ہونے سے

الخط الطولانی من جانب راس الانسان بالطبع من محدب فلک الافلاک و جهة التحت علی منتہی ذلک الخط مما یلی رجلیه من مرکز العالم وهاتان الجهتان لا تتبدلان عوض ویطلق الفوق والتحت علی الحدود التی بین المرکز وبین المحدب ایضا لکن اطلاقا اضافیا لا حقیقیا وکل من هذه الحدود المتوسطة یمکن اتصافه بکلا الوصفین من الفوقیة والتحتیة مثلا محدب فلک القمر متصف بالفوقیة بالاضافة الی مقعره وما عداه من الحدود المتقاربة الی المرکز ومتصف بالتحتیة بالنسبة الی سائر الافلاک فهذا الحد المعین فوق وتحت لکن بوجهین والحاصل ان کل حد یفرض ما بین المرکز وبین محدب الفلک الاعلی فما کان منهما اقرب الی المرکز وابعد من المحدب فهو تحت وما بالعکس فهو فوق بخلاف الحقیقیتین فان ما یتصف منهما بالفوقیة لا یمکن ان یتصف بالتحتیة وما یتصف بالتحتیة لا یمکن اتصافه بالفوقیة لان محدب الفلک الاعلی

جو انسان کی سر کی طرف جس وقت کہ طبعی طور پر کھڑا ہو یا بیٹھا ہو کھینچا جاتا ہے "منتہے پر کیا جاتا ہے۔ وہ فلک الافلاک یعنے عرش کا طرف بالا ہے۔ رہا جہت (نیچے کا طرف) اس کا اطلاق اس خط کے منتہے پر ہوتا ہے کہ انسان کے پاؤں کے تلے سے کھینچا جاوے اور وہی مرکز عالم ہے۔ یہ دو جہتیں کبھی متبدل نہیں ہوتی ہیں۔ لہذا حقیقی کہلاتی ہیں۔ فوق و تحت کا اطلاق ان اطراف پر جو کہ مرکز عالم اور فلک الافلاک کی طرف بالا کے مابین ہیں کیا جاتا ہے۔ مگر یہ اطلاق اضافی کہلاتا ہے۔ ہر ایک ان متوسط اطراف میں سے فوقیۃ و تحتیۃ سے موصوف ہوتے ہیں مثلا کہدیں کہ آسمان دنیا کا سطح بالا فوق ہے اور اسی آسمان کا وہ طرف جو نیچے کو ہے بہ نسبت مذکور تحت ہے۔ ماسوا اسکے جتنے نزدیک نزدیک اطراف ہیں وہ باقی افلاک کی نسبت تحت ہیں اسلئے یہ معین طرف ایک اعتبار (نیچے طرف کی نسبت) سے فوق اور دوسرے اعتبار (باقی افلاک کی نسبت) سے تحت ہوا حاصل کلام یہ ہے کہ جو دو طرف مرکز عالم اور فلک الافلاک کے مابین فرض کئے جاویں انمیں سے جو مرکز سے زیادہ تر قریب اور فلک الافلاک کی طرف بالا سے زیادہ تر بعید ہوگا وہ تحت ہے اور اسکا برعکس فوق ہے۔ حقیقی دو جہتیں انکی برخلاف ہیں کیونکہ جو جہتیں ہی فوق کہلاتا ہے وہ ہرگز تحت نہیں بن سکتا اور جو تحت ہے وہ ہرگز فوق

الی خلاف جهة السفینة وهذا القول وانکان مردودا بان الارض ذات مبدء میل مستقیم طبعا کما یظهر من اجزائها المنفصلة فیمتنع ان تتحرک علی الاستدارة وبانها لو کانت کذلک لما وصلت الطیور الی ما توجهت الیه من جهة المشرق عند طیرانها من المغرب الی المشرق وانکانت المسافة التی بین مبدء مسیر الطیور وبین منتهاه مسافة قلیلة لا تبعد مضی اکثر من یوم ولیلة وبانه علی هذا کان یجب ان یتخیل جمیع ما فی الجو من الطیور متحرکا الی جانب المغرب سواء کان ذلک الطائر متحرکا بحرکة نفسه الارادیة الی المشرق او المغرب وذلک لبطوء سیر الطیور وسرعة حرکة الارض وبوجوه اخری ترکنا ذکرها وبقوله تعالی شانه والقی فی الارض رواسی ان تمید بکم وبقوله الکریم ام من جعل الارض

ہوتا ہے کہ کشتی اسکے مخالف طرف کو جاتی ہے تو خیال کیا جاتا ہے کہ کشتی معہذا ساکن ہے" یہ مذہب (یعنے زمین کا متحرک ہونا) گو مردود ہے۔ مگر بات تو یہ ہے کہ جو لوگ اس مذہب کے پابند ہیں یا انکی باتوں کو پسند کرتے ہیں انہوں نے کیا یہ نہیں سوچا تھا کہ اس طرح پر تمام باشندگان زمین مبتلائے عذاب ٹھیرینگے پھر اگر باشندگان زمین کو اس سے معذب ہونا لازم آتا ہے تو وہ کیوں اسی دلیل سے اس مذہب کو باطل نہیں سمجھ معہذا کسی ایک مسلمان نے اور نہ کسی دوسرے فلسفی نے انکے اس مذہب کو بھی دلیل باطل کیا البتہ عوام الناس کو بگاڑنے کے لئے یہ تبیان ہے عقلمند تو اس عذاب کی دلیل پسند نہیں کرتے۔ رہی یہ بات کہ زمین کا متحرک ہونا یہ ایک مردود بات ہے سو اسکی وجوہ اور ہیں وجہ عذاب وجہ اول کہ زمین میں طبعًا حرکت مستقیم کے میلان کا مبدء موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ مستقیم اور مستدیرہ آپسمیں مغائر ہیں کیونکہ مستدیرہ تو وہ حرکت ہے جو کہ گولیائی پر ہو مستقیم وہ حرکت ہے کہ ایک سیدھے خط پر ہو اور یہ بات کہ اسمیں میلان مستقیم ہے اس سے ثابت ہے کہ جب ہم زمین کے اجزا الیلیں اور انکو پھینکیں تو وہ خط مستقیم پر ہی حرکت کرتے ہیں۔ لہذا زمین کا استدارت پر متحرک ہونا مسلم نہیں ہے دوسری وجہ کہ اگر اس طرح پر وہ متحرک ہوتی تو چاہئے تھا کہ جب جانور مغرب کیطرف اوڑتا ہو مشرق کی جانب جاتا تو وہ منزل مقصود پر نہ پہنچتا۔ مگر یہ گذرنے دن اور رات کے اکثر حصہ کے گو جسجگہ سے اسنے سیر شروع کی تھی اس سے مقصود تک تھوڑی ہی مسافت ہو حالانکہ واقعہ اسکے برخلاف معاملہ ہے تیسری وجہ کہ اس صورت میں چاہئے تھا کہ جتنے جانور زمین و آسمان کے مابین ہیں انکے بارہ میں بھی خیال کیا جاتا کہ وہ مغرب کیطرف حرکت کرتے ہیں خواہ وہ بالارادہ آپ ہی مشرق یا مغرب

يتحرك السموات على الاستدارة عدم تعين النزول له وايضا لا يلزم من تحركه بتحرك
السموات كونه مضطربا وفي نوع من العذاب الا ترى الى الذي ذهب اليه اهل الهيئة
اليوم من الافرنج ان الشمس في وسط الكواكب التي تدور حولها وقالوا انها ليس لها
حركة حول الارض بل للارض حركة حولها وان الارض احدى السيارات عندهم
وهي عطارد والزهرة والارض والمريخ و سنة وقال بعضهم ان الارض هي التي تتحرك
هذه الحركة السريعة اليومية من المغرب الى المشرق وبسببها ترى الكواكب طالعة و
غاربة لانها اذا تحركت كذلك وكانت الكواكب ساكنة او متحركة الى تلك الجهة ايضا
لكن بحركة ابطاء من حركتها ظهر لنا في كل ساعة من الكواكب ما كانت محتجبة بحدبة
الارض في جانب المشرق واحتجبت عنا بحدبتها في جانب المغرب ما كانت ظاهرة لنا
فيتخيل ان الارض ساكنة وان الكواكب هي متحركة بتلك الحركة السريعة الى خلاف الجهة
التي تتحرك الارض اليها كما يتخيل ان السفينة الجارية في الماء ساكنة مع كون الماء متحركا

نزول کا غیر متعین ہونا لازم نہیں آتا۔ نہ انکا آسمانوں کے متحرک ہونے کیوجہ سے اضطراب و عذاب
میں ہونا ضروری ہوا۔ کیا دیکھتے نہیں کہ زمانۂ حال کے ہیئت والے اور انگریزی ڈاکٹران کا یہ مذہب
ہے کہ آفتاب، جو ستاروں کے درمیان ہے اور وہ اسکے گرداگرد پھرتے رہیں۔ انکی حرکت کے بارہ میں
بیان کرتے ہیں کہ وہ زمین کے گرداگرد نہیں پھرتے ہیں بلکہ زمین ہی انکے گرداگرد پھرتی ہے۔ کہتے ہیں کہ
زمین بھی ان سیارات میں سے ایک سیارہ ہے وہ سیارہ یہ ہیں ۱۔ عطارد ۔ زہرہ ۔ زمین مریخ
وسنہ"۔ انہیں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ سریعہ حرکت جو مغرب سے مشرق کی طرف دن بھر میں ہوتی
ہے زمین ہی کی حرکت ہے اسیوجہ سے ستارہ کبھی طالع کبھی چھپے ہوئے معلوم دیتے ہیں کیونکہ زمین
جبکہ مغرب سے مشرق کی جانب حرکت کرتی ہے اور ستارہ ساکن ہوتے ہیں یا وہ بھی مشرق کی
طرف حرکت کرتے ہیں لیکن زمین کی حرکت سے انکی حرکت بہت ہی بطئی ہے" تو ہم ہر ساعت ان
ستاروں کو دیکھتے ہیں جو ہماری نظروں سے مشرق میں اس سے پہلے غائب ہوگئے تھے۔ ہماری نظروں سے وہ
ستارہ جو ہمکو نظر آرہے تھے مغرب میں ہماری نظروں سے غیب ہو جاتے ہیں اسی سبب ہمکو خیال آتا ہے کہ زمین ساکن ہے
اور ستارہ بھی یہ حرکت سریعہ مشرق سے مغرب کیطرف کرتی ہیں جیسا کہ کشتی دریا میں چلتی ہے دریا کی طرف کو متحرک

مقبب كالخيمة وقد ورد انه يحمل اليوم العرش اربعة من الملائكة وثمانية منهم يوم القيمة
قال عز وجل ويحمل عرش ربك فوقهم يومئذ ثمانية اى يوم القيامة وعلى هذا كيف
يستقيم كون الفلك متحركا بالحركة المستديرة ومما ورد فى القرآن انما هو سير الكواكب كما
قال تعالى لا الشمس ينبغى لها ان تدرك القمر ولا الليل سابق النهار وكل فى فلك يسبحون
وقال كل يجرى الى اجل مسمى وقال ما اعظم شانه فلا اقسم بالخنس الجوار الكنس وفسر
بالنجوم الخمسة زحل والمشترى والمريخ والزهرة وعطارد ولئن سلم كون ذلك الفلك متحركا
فلا نسلم انه يلزم بحركه تحرك سائر الافلاك لان الشرع لم يرد باتصال الافلاك فيما
بينها بل ورد على انفصالها كما يظهر لمن تتبع الاحاديث ولم يثبت كونها كروية
بل ورد ان الارض بالنسبة الى السماء الدنيا كحلقة فى فلاة وهكذا سماء الدنيا بالنسبة

بالفعل چار فرشتوں نے اوٹھا رکھا ہے۔ دیکھو کہ قرآن شریف میں ہے کہ قیامت کو اسکو آٹھ
فرشتے اٹھائیں گے۔ پھر آپ فلک الافلاک کا متحرک ہونا باوجود ان اخبار اور آیات کے کب کہہ سکتا
ہے۔ ہرگز نہیں۔ ہاں قرآن میں ستاروں کی حرکت کا بیشک ذکر ہے۔ دیکھو خداوند تعالی فرماتا ہے
کہ آفتاب چاند کو نہیں پکڑ سکتا اور نہ رات دن سے آگے بڑھ سکتی ہے۔ ہر ایک کیا آفتاب
اور کیا چاند اور دوسرے ستارہ آسمان میں سیر کرتے ہیں۔ فرمایا کہ ہر ایک انہیں سے ایک
وقت معین تک سیر کرتا رہے گا۔" فرمایا ہے کہ قسم کھاتا ہوں ان پانچ ستاروں کی جو پیچھے
ہٹ جانے سیدھے چلنے، غیب ہو جانے والے ہیں۔ اور یہ ستارہ یہ ہیں "زحل، مشتری
مریخ، زہرہ، عطارد۔" اگر ان بھی لیں کہ فلک الافلاک متحرک ہے لیکن یہ ہم تسلیم نہیں کریں گے
کہ باقی آسمان اسکی تحریک سے متحرک ہیں۔ اسلئے کہ یہ اس صورت میں لازم تھا کہ اگر شرعاً
آسمانوں کا ملاپ آپس میں ثابت ہوتا لیکن ملاپ تو ثابت نہیں ہے بلکہ شرعاً ثابت ہے کہ آسمان آپس میں دور دراز
فاصلہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ احادیث وغیرہ کے دیکھنے سے ظاہر ہوگا۔ نیز آسمانوں کی کرویت بھی شرع سے
ثابت نہیں ہے۔ بلکہ شرع سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین آسمان دنیا کے مقابلہ پر ایسی ہے کہ جیسے
کسی میدان میں حلقہ پڑا ہوا اسیطرح آسمان دنیا دوسرے آسمان
اور دوسرا تیسرے کی نسبت ہے۔

قرارًا وجعل خلالها انهارًا وجعل لها رواسی الاٰیۃ فمع بطلان ھٰذا القول نقول انہم مع کونہم عقلاء لم یمیز موا بیطلان مذہبہم ھٰذا بظہور استلزامہ عذاب من ھو علی الارض ولم یورد علیہم احد ممن یخالفہم من المسلمین وسائر اھل المعقول ھٰذا الایراد نفسہما وھام العامۃ الجہلۃ الذین لاحظ لہم من العلوم العقلیۃ تتزلزل بامثال ھٰذا وکل ھٰذا علی تقدیر تسلیم حرکۃ فلک الافلاک علی الاستدارۃ ثم بتسلیم حرکۃ سائر الافلاک بتحریکہ ایاھا ولنا ان نمنع حرکۃ فلک الافلاک المعبر بالعرش فی لسان الشرع علی الاستدارۃ لانہ لم یوجد فی الشرع دلیل قطعی یوجب الظن بذالک فضلا عن ان یوجب العلم القطعی کیف ولم یثبت ذالک فی خبر قوی بل ولا ضعیف ان العرش یتحرک علی الاستدارۃ ویحرک ما تحتہ من الافلاک بل قد ثبت فی اخبار صحیحۃ ان لہ قوائم وھٰذا بظاہرہ یابی ان یکون الفلک الذی یصفونہ علی ما یصفونہ ولا یابی ما مر من انہ

کی طرف متحرک ہوں اسلئے کہ زمین کی حرکت سریعہ پائی گئی۔ جانوروں کی حرکت بطی ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس اور وجوہ بھی ہیں جن سے کہ یہ مذہب باطل ہوتا ہے۔ مگر خوف طول اور خلاف مقصود ہونے کی وجہ سے وہ مذکور نہیں ہوئے اور یہ بھی وجہ ہے کہ قرآن شریف میں بھی زمین کا ساکن ہونا بیان کیا گیا ہے۔ دیکھو خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہمنے زمین کو میخیں ٹھوکدیں "تمکو متحرک نہ کرے۔ کیسے خدا کے سوا زمین کو ساکن اور فرش بنایا۔ اور ہمیں نہریں جاری کیں اسکے پہاڑ ونکو میخونکے قائم مقام بنایا ان سب آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین ساکن ہے لیکن اب تک جو کچھ ہمنے بیان کیا ہے فلک الافلاک کے استدارت پر متحرک ہونا اور سکی تحریک سے باقی تمام نکا متحرک ہونا مان کر بیان کیا ہے۔ آب ہم اسکے مطابق جواب دیتے ہیں کہ جو شرعاً ثابت ہے وہ یوں ہے کہ شرعاً فلک الافلاک وغیرہ ہر گز متحرک نہیں ہیں اسلئے کہ نہ قرآن سے ثابت ہے کہ عرش متحرک ہے اور نہ کسی صحیح یا ضعیف حدیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ بلکہ صحیح احادیث میں آیا ہے کہ عرش کے لئے پائے ہیں۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ متحرک نہیں ہے۔ اور اس سے وہ حدیث کہ جسمیں آیا ہے۔ کہ عرش خیمہ کیطرح قبہ دار ہے" انکاری نہیں ہے۔ آچکا ہے کہ خداوند تعالےٰ کا عرش

العذاب الدائمی ممنوع مطلوب دلیله وانی لہ ذلک وقد عرفته مفصلا وتامل فیه
بالنظر الصائب یظهر لک مبلغ انکشافه فی علم الهیئة ودرکه فی القواعد الهندسیة
لینکشف لک حقیقة دعواه من المجددیة والمحدثیة وتقوله المفتری فی ادعاء
المسیحیة واعترض علی العلماء الاسلامیة علی قولهم بان الفلسفة القدیمة تشهد
بان الجسم العنصری للانسان لا یمکن ان یبلغ الی الطبقة الزمهریریة وبان اهل فلسفة
الیوم قد حققوا بتوسط الصعود علی بعض الجبال ان اهویة رؤس تلک الجبال مضرة
منافیة لصحة البدن بحیث لا یمکن ان یبقی حیا حین وصوله فی تلک الاهویة فاتفاق
سوابق الفلاسفة ولواحقهم علی ذلک یحیل ارتفاع المسیح علیه السلام الی السماء اذ لا بد
لارتفاعه الیها من الوصول الی الطبقة الزمهریریة ونفوذه فیها فی اثناء الصعود الی السماء
والوصول الی تلک الطبقة لما کان غیر ممکن امتنع صعوده الی السماء لاستلزام عدم امکان

آیا ہے" غلط ہے۔ ان سینوں محذورات کو ممنوع سمجھتے ہیں۔ ان کیلئے دلیل طلب کرتے ہیں
مگر وہ دلیل کہاں یہ تو یوں ہی تقلقل ہے۔ ہمنے جو کچھ مفصل طور پر بیان کیا ہے وہ معلوم ہو ہی
گیا ہے اسمیں ناظرین خوب تامل کریں تاکہ قادیانی کے ہیئت دانی اور ہندسہ فہمی وغیرہ
علوم کے حالات معلوم ہوں۔ ان کے مجددیت و محدثیت و مسیحیت کے دعوے کی بنا روشن
روشن ہو" قادیانی علماء اسلام پر اسطور پر بھی اعتراض کرتا ہے کہ پرانے فلسفہ سے ثابت
ہوتا ہے۔ کہ انسانی جسم کو طبقۂ زمہریریہ تک ہرگز رسائی نہیں۔ زمانہ حال کے فلاسفہ نے بھی تحقیق
یوں کرلیا ہے کہ وہ بعض پہاڑوں پر چڑھے وہاں پر جاکر معلوم کیا کہ انکی چوٹیوں پاس درجہ کی ہوا سوئے
کہ وہ انسانی جسم کو سلامت رہنے نہیں دیتی۔ بلکہ اتنی بلندی پر پہونچکر ہرگز زندہ نہیں رہ سکتا پس
متقدمین اور متاخرین کے اتفاق سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام ہرگز آسمان پر نہ چڑھے
ہوں کیونکہ رستہ اسقدر سردی ہے۔ کہ آدمی وہاں پر پہونچتے ہی مرجائے گا لہذا آسمان تک
مسیح علیہ السلام کی رسائی ہرگز متصور نہیں۔ پس جبکہ طبقہ زمہریریہ تک پہونچنا ہی غیر ممکن
ہے تو آسمان پر پہونچنا بھی غیر ممکن ٹھہرا اس لئے کہ جب سبب ہی ممکن
نہیں تو معلول کیسے ممکن ہوگا

الی السماء الثانیة والثانیة بالنسبة الی الثالثة وھکذا والکل من الکرسی وما تحته
بالنسبة الی العرش کحلقة فی فلاة وظاھر انھا لو کانت کرویة لما صح ھذا التمثیل
واذا لم یثبت کرویة الافلاک لم یثبت حرکتها علی الاستدارة ولما لم یثبت الاتصال
فیما بین الافلاک ثم تسلیم تحرک فلک الافلاک لا یلزم تحرک ما تحته من الافلاک
بل عرفت ان نفس حرکة الفلک الاعلی ایضاً لم یثبت فلم یرد ما زعم المستدل بطریق
الالزام تقلیداً للاوھام العامة وحاصل کلامنا ھذا کله ورود منوع متعاقبة متنزلة
علی استدلاله بانا لا نسلم کون الفلک الاعلی متحرکاً ولئن سلم فلا نسلم انه متحرک
علی الاستدارة ولئن سلمناه فلا نسلم ان بتحرکه یلزم تحرک باقی الافلاک لتوقفه
علی اتصالها ولا اتصال فلا یلزم تحرکها حتی یتحقق ما زعمه ولئن سلم کل ذلک فلزم
المحذورات الثلث من عدم تعین جهة الفوق له وعدم تعین النزول له وکونه فی

باقی علیٰ ہذا القیاس سب آسمان کرسی کے اور کرسی مع ماتحت کے فلک الافلاک کے سامنے اس حلقہ
کی مانند ہیں جو میدان میں پڑا ہو" اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اگر آسمان کروی ہوتے۔ تو یہ
تمثیل صحیح نہ ہوتی۔ اس واسطے ماننا پڑیگا کہ وہ کروی نہیں ہیں۔ پس جبکہ کرویت نہ رہی تو خود حرکت مستدیرہ
بھی جاتی رہی۔ کیونکہ مستدیرہ حرکت سے تو وہی متحرک ہوتا ہے جو کروی ہو نہ غیر۔ جبکہ آسمانوں کے
مابین اتصال ثابت نہ ہوا تو اگر ہم فلک الافلاک کا متحرک ہونا مان بھی لینگے۔ تو اسکے متحرک ہونے سے
اسکے ماتحت آسمانوں کا متحرک ہونا لازم نہیں ہوگا۔ بلکہ تم جان چکے ہو۔ کہ فلک الافلاک متحرک بھی نہیں۔ بنا بریں
جو کچھ کادیانی نے الزام کے طور پر استدلال عام خیالات کی تقلید سے پیش کیا تھا ہرگز پیش ہونے کے قابل
نہیں ہے۔ اور یکے بعد دیگرے مردود ہے۔ ہماری ساری تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ ہم انکی استدلال پر گوناگون پے در پے
ترتیب وار اعتراضات وارد کرتے ہیں بایں طور کہ اولاً فلک الافلاک کا متحرک ہونا نہیں مانتے ہیں۔ اگر
یہ مان لینگے تو پھر اسکا استدارت پر متحرک ہونا نہیں مسلم ہے۔ اسکو بھی اگر مان لیں تو پھر یہ تسلیم نہیں کرتے
کہ اسکی تحریک سے باقی آسمان بھی متحرک ہیں۔ کیونکہ یہ بات آسمانوں کے آپس میں متصل ہونے پر موقوف ہے۔
لیکن وہ تو متصل ہی نہیں۔ پس اسکی تحریک سے انکا متحرک ہونا بھی لازم نہیں آتا۔ اگر ہم یہ سب کچھ تسلیم کریں
تو ہمارا یہ کہنا کہ نہ جہت الفوق اور نہ نزول متعین ہوتا ہے اور بصورت تعین مسیح کا عذاب الٰہی میں مبتلا ہونا لازم

ومن المعلوم بالبداهة العقلية ان تلك الكيفية تشتد وتضعف حسب مسامتة
الشمس كما في النهار وعدم مسامتتها كما في الليل والاختلاف اجزاء الطبقة
فيها صيفا وشتاء جنوبا وشمالا وجنوبا فاختلافها كذلك ادل دليل نفي كونها
ذاتية لها واما كونها لازمة لتلك الطبقة فذلك اما باعتبار ذاتها واصلها وهي
نفس البرودة وظاهر انها لا تنافي حيوة الانسان واما باعتبار مرتبة معينة
من مراتبها المنافية لها فهي غير متعينة بعد وبعد تسليم تعينها فان وامه
غير مسلم فاين اللزوم ولئن سلم اللزوم فذلك اللزوم عادي لا عقلي

کبھی شدت اور کبھی ضعف سے موصوف ہو یہ ظاہر ہے۔ کہ وہ طبقہ کبھی ضعیف ہوتا ہے
چنانچہ جب آفتاب طبقہ کی سمت پر ہو جیسا کہ دن میں اور کبھی وہ شدید البرد ہوتا ہے۔ یعنی
اس صورت میں کہ آفتاب اس کے ساتھ مسامتت نہ رکھتا ہو۔ جیسا کہ رات میں نیز
یہیں تشکیک اس وجہ سے بھی ہے۔ کہ گرمیوں اور جاڑے میں بلکہ جنوب اور شمال میں
اسکے اجزا سردی میں برابر نہیں ہوتے کیا جیسے کہ گرمیوں میں یہیں سردی ہوتی ہے ویسے ہی
جاڑے میں ہوتی ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ جاڑے میں شدید اور گرمیوں میں ضعیف ہوتی ہے۔ پس اس قسم کا
اختلاف صریح طور پر اسپر دلالت کرتا ہے کہ یہ کیفیت اس طبقہ کے ذاتیات میں سے نہیں ہے ایسے
اس کیفیت کا طبقہ مذکورہ کے لوازم سے ہونا سو یہ اس طرح پر ہوگا۔ کہ اس کیفیت کا اصل اور
نفس (یعنی بلا شدت و بلا ضعف) اس کو لازم ہو۔ لیکن یہ ظاہر ہے۔ کہ اصل برودت
انسانی بدن سے منافات نہیں رکھتی اور نہ انسان کو جان سے مار دیتی ہے۔ یا
کہوگے۔ کہ نہیں ہم تو اصل برودت کو لازم نہیں کہتے بلکہ اسکے ایک خاص درجہ کو
لازم سمجھتے ہیں۔ سو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ وہ مرتبہ اور درجہ ابھی تک
معین نہیں ہوا اور اگر ہم اس خاص درجہ کا ہونا بھی تسلیم کر لیں
لیکن یہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ وہ کبھی اس طبقہ سے جدا نہیں ہوتا پھر لزوم
کہاں رہا۔ اچھا جی لزوم بھی مانا لیکن
مستفسر ہے کہ وہ لزوم عادی ہے یا عقلی تو نہیں ہے ابھی عقلی کے یہی معنی ہیں کہ اپنے

المعد لعدم المكان المعدلہ ولا یخفی علیک ان کل ذلک سفسطۃ وتزئین للباطل
وتمویہ للفاسد لعاطل لایستتر وھنہ علی اللبیب العاقل فان ما ترتب علیہ امتناع
صعودہ علیہ السلام من عدم امکان وصول البدن الانسانی الی الطبقۃ الزمھریریۃ
معللا بمنافاتھا لحیوۃ الانسان غیر مسلم لان عدم امکانہ الیھا یتوقف علی عدۃ امور منھا
استواء جمیع اجزاء الطبقۃ فی ھذہ الکیفیۃ المضرۃ وھذا ممنوع لابد لہ من دلیل بل باعتبار
اختلاف نسبۃ اوضاع الشمس الی العوالم العنصریۃ یشھد الوجدان بخلافہ ومنھا
کونھا ثابتۃ لتلک الطبقۃ فی مرتبۃ ذاتھا ثبوت الذاتیات للذات بحیث یستحیل
انسلاخ تلک الکیفیۃ عن ھذہ الطبقۃ فی مرتبۃ ذاتھا وھو ایضا ممنوع فان نسبۃ
الکیفیۃ الی الطبقۃ لو کانت بھذہ المثابۃ لکانت ذاتیۃ لھا وقد ثبت فی مقرھا ان لا
تشکیک فی الماھیۃ ولا فی ذاتیاتھا والتشکیک فی المتکیفات انما یکون بالشدۃ والضعف

(معد اسکو کہتے ہیں کہ جسکا عدم بعد الوجود متاخر کے لئے سبب ہو جیسے پہلا قدم دوسرے قدم کے
لئے) الجواب یہ ساری تقریر ہی معترض کی گویا باطل کو زینت دینا ہے تانبے کو سونے کا پانی چڑھا کر سونے
کے بہاؤ بیچنا ہے۔ لیکن ایسی بناوٹ دانشمند سے کب پوشیدہ رہتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ طبقہ زمہریریہ
تک بدن انسان کا وصول ممکن ہے اور اسکا ناممکن ہونا ہرگز مسلم نہیں پس مسیح علیہ السلام کا آسمان پر
چڑھنا بھی ممتنع نہیں ہوا رہی یہ بات کہ انسان کا وصول کیوں ناممکن نہیں سو اسکی وجہ یہ ہے کہ اسکا
ناممکن ہونا چند امور پر موقوف ہے۔ ایک یہ کہ طبقہ زمہریریہ کے تمام اجزا اس ضرر رسانی کیفیت میں برابر ہوں
لیکن ہم اس برابری کو تسلیم نہیں کرتے اسکے لئے تو کوئی دلیل چاہئے بلکہ اگر اس بات کا لحاظ کریں کہ آفتاب
کی محاذات کو عنصریات وعناصر کیطرف گوناگوں نسبتیں ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ طبقہ زمہریریہ
کے اجزا کی سردی برابر نہیں۔ دوم یہ کہ وہ سردی طبقہ زمہریریہ کی ذات میں داخل ہو جیسے کہ ذاتیات
ذات میں داخل ہوتے ہیں اس طرح پر کہ وہ سردی اسکے مرتبہ ذات سے ہرگز جدا نہیں ہو سکتی۔ مگر یہ بھی
مسلم نہیں کیونکہ اگر یہ سردی اسکے ذاتیات سے ہوتی تو چاہئے تھا کہ وہ کبھی شدت اور کبھی ضعف
کے ساتھ موصوف نہ ہو حالانکہ وہ اس طرح پر موصوف ہوتی ہے۔ جب ایسی ہوتی تو ذاتی نہیں ہو سکتی۔
اسلئے کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ذات ذاتیات میں تشکیک نہیں لیکن طبقہ زمہریریہ کو تشکیک ہے کیونکہ تشکیک ہوا ہی ہے

كون برودتها بالتبع وبالعرض لان عنصر الهواء بحسب ذاتها حار رطب كما هو محرر في كتب الطب ولما لم تكن الكيفية ذاتية لها ولا لازماً عقلياً يمتنع انفكاكها عنها يجوز انفكاكها عنها حين صعود المسيح عليه السلام الى السماء لامكان وجود ما يقتضي كسر سورة البرودة عن مسيره من تلك الطبقة من مجاورة الادخنة الغليظة المشتعلة التي ترى منها صور مختلفة كالنيازك والرماح والحيوانات ذي القرون وغيرها سواء كانت الادخنة المشتعلة ممتدة متصلة بالارض التي تسمى بالحريق او غير متصلة بها فلم يمتنع صعوده عليه السلام الى السماء من اجل البرودة المفرطة التي في تلك الطبقة الكائنة في مسافة ذهابه اليها ومنع حرارة كرة النار لمسيره اليها كذلك لما عرفت من ان الحرارة للنار لازم عادي يجوز انفكاكها عنها ولو ابداً ومن الامور المتعددة التي قلنا بتوقف عدم امكان وصول البدن

باوجود اسکے کہ وہ بالعرض سرد ہے! کیا حال ہونا چاہئے کیا معلوم نہیں کہ عنصر ہوا بذاتہا گرم تر ہے دیکھو کتب طب۔ چونکہ سردی نہ اسکی ذاتی ہے اور نہ لازم عقلی۔ تو اس کا اس سے جدا ہونا کیسے ناروا ٹھہرے گا۔ لہذا بوقت صعود مسیح علیہ السلام کے سردی کا نابود ہونا جائز ہوا اسلئے کہ ممکن ہے کہ صعود کے وقت میں وہ چیزیں موجود ہو گئی ہوں جو سردی کی تیزی کو دور کرنیوالی ہیں۔ جیسے کہ غلیظ دھویں اسکے پاس ہی جلکر روشن ہوئے ہوں چنانچہ بسا اوقات وہی دھویں جلکر نیزوں کی شکل اور سینگ والے حیوان وغیرہ کی ہیئت میں دکھلائی دیتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ وہ اتنے لمبے ہوں کہ زمین سے متصل ہو جائیں بلکہ کبھی متصل بھی ہو ہی جاتے ہیں۔ لیکن اس صورت میں اسکا نام حریق ہے اور کبھی زمین سے متصل نہیں ہوتے پس چونکہ ایسے اسباب کا جو سردی کی تیزی کو دور کرتے ہیں مہیا ہونا ممکن ہوا۔ تو مسیح علیہ السلام کا آسمان پر چڑھنا بھی ممکن ہوا۔ شاید اب کوئی کہے کہ طبقہ زمہریر سے اوپر ایک اور طبقہ ہے جو جلانے والا ہے تو مسیح اس سے بچکر کسطرح آسمان پر چڑھ گئے۔ تو واضح ہو کہ یہ بھی غلط ہے کیونکہ حرارت آگ کے لئے ایک عادی لازم ہے اسلئے اسکا کرہ نار سے جدا ہونا جائز ہے۔ گو یہ جدائی آنی ہو۔ برودت کے لازم عقلی

يمتنع انفكاكه عن ملزومه كما يمتنع انفكاك الزوجية عن الاثنين واللازم
العادي يجوز انفكاكه عن ملزومه كلزوم السكر للخمر فانه لازم عادي للخمر و
لذا ينفك عن الخمر بالملح وبالخل والحرارة للنار كذلك لازم عادي ولذا خاطبها
الله تعالى في حق ابراهيم عليه السلام بقوله عز وجل قلنا يا نار كوني بردًا وسلامًا
على ابراهيم فانقادت وتبردت كما اخبر به عز وجل فما كان جواب قومه الا ان
قالوا اقتلوه او حرقوه فانجاه الله من النار كيف ولو كانت الحرارة لازمة لها باللزوم
الذاتي لانتفت النار بزوال الحرارة وذكر المؤرخون ان النار تبردت على ابي مسلم
الخولاني حين امر مسيلمة الكذاب بنار عظيمة حتى اشتعلت وتوقدت فامر بالقاء
ابي مسلم فيها فالقي فلم تضره النار فاذا كان حال الحرارة بالنسبة الى النار كذلك مع
ان حرارتها بذاتها فما بال البرودة بالنسبة الى الطبقة الزمهريرية من الهواء مع

ملزوم سے کبھی جدا نہو۔ جیسا کہ دو کے واسطے جفت ہونا لازم ہے اور یہ زوجیت کا وصف اس سے
کبھی جدا نہیں ہوتا۔ عادی لازم کا اپنے معروض سے جدا ہونا جائز ہے دیکھو سکر شراب کے
لئے عادی لازم ہے اسیواسطے اگر اسمیں نمک یا سرکہ ڈالدیا جاوے تو سکر زائل ہوگا۔ حرارت
آگ کے واسطے عادتًا لازم ہے۔ اسلئے خداوند تعالے نے ابراہیم علیہ السلام کے بارہ میں
آگ سے خطاب فرمایا کہ اے آگ تو ٹھنڈی سرد ہوا براہیم کے لئے۔ پس وہ آگ سرد ہوگئی۔
چنانچہ اسکی خود حق سبحانہ خبر دیتے ہیں کہ پہر بھی ابراہیم علیہ السلام کو قوم نے بجز اسکے اور کچھہ نہیں کہا کہ
ابراہیم علیہ السلام کو قتل کرڈالو یا انکو جلادو۔ پس خداوند تعالے نے ابراہیم کو آگ سے بچالیا۔ اس سے صاف
ثابت ہوتا ہے۔ کہ حرارت جو ایک عادی لازم تھی وہ آگ سے جدا ہوگئی تھی کیون ہو اگر یہ لازم ہوتی تو
چاہئے تہا کہ حرارت معدوم ہوجاتی ہی آگ بھی معدوم ہوجاتی حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ معتبر مورخین نے
بیان کیا۔ کہ مسیلمۃ الکذاب نے ابی مسلم خولانی کے جلا دینے کا حکم دیا تہا اسلئے قوم نے انکو آتش سوزاں
میں ڈالدیا۔ مگر وہ نہ جلے آگ سرد ہوگئی تھی۔ اب دیکھئے یہاں بھی حرارت آگ سے جدا ہوگئی تھی
پس جبکہ آگ سے حرارت کو باوجود اسکہ وہ آگ کی ذات کو عارض ہے یہ نسبت ہے تو سردیکا
بہ نسبت طبقہ زمہریریہ کے جو ہوا کا ایک مرتبہ ہے

واهتمام البيان وامثالهما فيحتمل التقديم في الاية لتوافق الفواصل فلم تتعين
افادة الحصر ولئن سلمنا ذلك فباعتبار الاكثر لا باعتبار الكل ولو باعتبار
الكل ايضًا فبخصوص الحيوة في عالم الناسوت الذي هو محل الكون والفساد
دون الحيوة المطلقة التي من جملتها الحيوة السماوية اذ لو تعلق الانحصار بالحيوة
مطلقا انتقض بحيوة اصحاب الجنة في الجنة وحيوة اهل النار في النار ولا بد لاعتبار
الحيوة الناسوتية ايضًا من التقييد بغالب الاحوال والا انتقض بمن سار في الهواء
بواسطة الطيران على طريق خرق العادة كما وقع لبعض الكبراء او بواسطة الركوب على
البالون الدخاني الهوائي كما شاهده كثير من ابناء الزمان فلا منافاة حينئذٍ بين التصديق
بقوله تعالى المذكور وبين التصديق بكون المسيح بن مريم حيًا في السماء كما لا يخفى على

اور فاصلوں کی رعایت سے اور کبھی بیان کے اہتمام کے لئے بھی جار و مجرور کا تقدیم ہوتا ہے وغیرہ۔
پس آیت مذکورہ میں جار و مجرور کا تقدم ہے فاصلوں کی موافقت کے لئے بھی ہو سکتا ہے۔ لہذا اس تقدیم کا
صرف حصر کے واسطے ہی ہونا متعین نہیں ہوا۔ اگر مان بھی لیں کہ یہ تقدیم صرف حصر کے ہی واسطے ہے تو
بریں تقدیر ہو سکتا ہے کہ یہ خطاب اکثر بنی آدم کے لئے ہو نہ کل کے لئے۔ اگر اسے باعتبار کل کے بھی لینگے
تو ہم اسکے قائل ہیں کہ یہ اسی حیات سے خاص ہے جو عالم کون و فساد میں ہے[1] نہ یہ کہ اس سے مطلق حیات
مراد ہے جسکے افراد سے سماوی زندگی بھی ہے اسلئے کہ اگر یہ انحصار مطلق حیات سے متعلق ہوتا تو
چاہئے تھا کہ اس آیت کا مفہوم بہشتیوں اور دوزخیوں کی ابدالآباد زندگی کے ساتھ منقوض ہو اور یہ تو
ظاہر ہے کہ وہ زندگی بھی مطلق زندگی میں مندرج ہے نیز جبکہ ہم نے عالم کون و فساد کی زندگی مراد لیکر
لیں گے تو اسمیں اکثر احوال کی بھی قید لگانی چاہئے ورنہ یہ بھی منقوض ہوگا۔ وہ یوں کہ اسی عالم میں بعض
احوال میں بعضے انسان صرف زمین ہی کے اوپر تمام زندگی بسر نہیں کرتے بلکہ بعض کاملین نے خرق
عادت کے طور پر بھی کچھ حصہ زندگی کا اسی عالم میں طیران کی حالت میں بسر کیا ہے حالانکہ اُنحالتیں وہ زمین
پر نہیں تھے لیکن ایسے لوگ چونکہ خرق عادت و کرامت کو نہیں مانتے ہیں تو انکے لئے انکی رائیوں کے موافق
تمثیل دینگے۔ وہ یہ ہے کہ بعض لوگ غبارہ پر بیٹھکر جو کی سیر کرتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے ہمزمانوں نے اس تماشا کو
دیکھ لیا ہے۔ اب کبھی کبھی کہ ایسے جو میں حصہ عمر کا بسر کرتے ہیں نہ زمین پر پس اس سے ثابت ہوا کہ آیت مذکورہ

---

[1] کون و فساد کا معنے یہ ہے کہ ایک صورت نوعیہ کو قبول کرنا اور پہلی کو چھوڑ دینا۔ چنانچہ پانی جبکہ ہوا بنجاتا ہے تو وہ صورت مائیہ کو چھوڑ کر صورت ہوائیہ کو قبول کر لیتا ہے ۱۲ منہ ناظم

متساوی الکیفیة البرهیة فکیف اذا انتفی کل من هٰذه الامور الموقوف علیها اعتراضه واستلزام انتفاء الموقوف علیه لانتفاء الموقوف من المعلومات بالضرورة۔ واستدل ایضاً بقوله تعالیٰ فیها تحیون وفیها تموتون ومنها تخرجون وتهذیبه ان فی الاٰیة تقدیم الجار والمجرور المتعلق بالفعل اعنی تحیون وذلک لافادة الحصر فیئول معناه الیٰ انه لاحیٰوة لاحد من بنی اٰدم الا فی الارض فلو کان المسیح علیه السلام حیًّا فی السماء للزم بطلان هٰذا الحصر المستفاد من قول الله عز وجل فالاذعان بقوله تعالیٰ وفیها تحیون لا یجتمع مع القول بکونه حیًّا فی السماء فلا بد من القول بکونه میتاً کسائر الانبیاء علیهم السلام و کونه مرفوعاً بالرفع الروحانی دون الجسدی اقول بتوفیق الله عز وجل حصر التقدیم فی افادة الانحصار مخدوش بل التقدیم قد یکون لاغراض اُخر کرعایة القوافی والفواصل

برابر ہونا مان لیا گیا" تو جواب دیا گیا ہے۔ پس خوب سمجھ لو کہ کادیانی کا اعتراض جن تمام امور پر موقوف ہے وہی سب کے سب مرتفع ہوں تو اس کا کہاں ٹھکانا ہوگا۔ آخر یہ تو معلومات سے ہے کہ جب موقوف علیہ ہی نابود ہو تو موقوف بھی بالضرور معدوم ہونا چاہئے۔ کادیانی اپنے دعوے کے لئے اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں اس آیت کا ماحصل یہ ہے۔ کہ زمین پر ہی زندہ رہو گے اور وہیں پر مر جاؤ گے اور وہیں سے زندہ ہو کر محشور کئے جاؤ گے" اسکے استدلال کا طریقہ اور تہذیب یوں ہے کہ آیت میں جار و مجرور (فیہا۔ منہا) جو فعل (تحیون۔ تموتون۔ تخرجون) کے ساتھ متعلق ہیں مقدم کیا گیا ہے اور یہ تقدیم حصر کا فائدہ دیتی ہے اسلئے آیت کا معنے یہ ہوا کہ زندگی نہیں کسی ایک انسان کے لئے مگر زمین ہی پر نہ اور کہیں۔ پس اگر مسیح عم آسمان پر زندہ ہونگے تو اس حصر کا باطل ہونا ضروری ٹھہریگا۔ لہٰذا ہم مسیح علیہ السلام کے آسمان پر زندہ ہونے پر اور پھر اس آیت کے مضمون پر کیسے اذعان کر سکتے ہیں۔ لہٰذا ماننا پڑتا ہے کہ مسیح عم زندہ نہیں ہیں بلکہ مسیح بھی ویسے ہی مر گئے ہیں جیسے کہ اور حضرات انبیاء علیہم السلام مر چکے ہیں ویسے ہی وہ بھی اور انکی روح مرفوع ہوئی ہے۔ نہ بجسدہ۔ الجواب تقدیم کا افادہ حصر ہی میں منحصر نہیں ہے کیونکہ اسکا مقدم کر لینا دوسرے اعتراض کو لئے بھی ہوتا ہے جیسے کہ قافیوں

او النبوة وفي هذا تحقير لهم ولا يناسب ذالك لعلو حالهم وقد تقرر في كتب
العقائد ان الانبياء بعد انتقالهم من دار الدنيا لا يعزلون عن مناصب النبوة
بل صرح في بعضها بتكفير من قال بهذه المقالة او هل هم متصفون بوصف النبوة
وهذا يخالف قول الله ولكن رسول الله وخاتم النبيين لان خاتميته تقتضي
ان لا يكون بعده نبي فكيف يصح ان يكونوا موصوفين بالنبوة بعد كون نبينا
صلى الله عليه وسلم مبعوثا وكيف لا يعزلون عن منصب النبوة في المعاد فما هو
جوابك عن هذا النقض الوارد فهو جوابنا عن اعتراضك المزخرف والحل ان
المسيح عليه السلام حين تمكنه في السماء وحين نزوله وكذا هو وسائر الانبياء
في البرزخ وفي المعاد متصفون بوصف النبوة والرسالة غير معزولين عن مناصبهم

یا عالم آخرت میں موصوف ہونگے یا نہ اگر کہا جائے کہ معزول ہیں یا معزول ہونگے تو یہ صاف پیغمبروں
کی ہتک ہے اور یہ انکی عالی شان سے نامناسب ہے۔ بھلا ایسا کیونکر ہو کتب عقائد میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے
کہ انبیاء علیہم السلام بعد الانتقال ہرگز اپنے مناصب سے معزول نہیں ہوتے بلکہ بعض نے صراحۃً لکھا ہے کہ
جو شخص اس عزل کا قائل ہوگا وہ کافر ہے اسلئے ماننا پڑے گا کہ وہ دونوں عالموں میں صفت رسالت
و نبوت کے ساتھ موصوف ہوتے ہیں۔ مگر یہ بات کادیانی کے طرز پر آیت سے مخالف ہے۔ کیونکہ انکے
نزدیک آیت سے ثابت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے بعد کسی نبی کو نبوت
و رسالت کی صفت ثابت نہیں ہونی چاہئے۔ پس وہ پیغمبر عالم برزخ میں رسالت و نبوت
سے کیسے موصوف ہو سکتے ہیں اور کیوں نہیں عالم آخرت میں ان سے عہدہ رسالت و نبوت کا
چھینا گیا ہوگا۔ آخر وہ وقت بھی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونیکے بعد ہی ہے
پس جو کچھ کادیانی جواب دیگا وہی ہماری طرف سے بھی جواب ہے۔ ثانیاً ہم تفصیلی نقض پیش کرینگے
وہ یوں ہے کہ مسیح علیہ السلام جس وقت کہ وہ آسمان پر مستقر ہیں اور جس زمانہ میں اترینگے اسیطرح
باقی انبیاء عالم برزخ میں اور آخرت میں بالضرور رسالت و نبوت کے ساتھ موصوف ہیں اور ہونگے

سلہ شاید بعض لوگ یہ کہدیں کہ عالم برزخ اور آخرت مستثنیٰ ہے ہم انکے جواب میں کہدیں گے کہ مسیح ع بھی مستثنیٰ ہے۔
اسیح حضرت مولانا مدظلہ العالی کا یہ فرمودہ فما ہو جوابکم فہو جوابنا خوب ذہن نشین ہوگا ۱۲ مترجم

ممن له ادنی تامل و من استدلالاته المزخرفة الواهية ان لو کان عیسیٰ حیًّا فی السماء
و نازلًا قبیل قیام الساعة فلا یخلو اما ان یکون حین نزوله معزولًا عن وصف الرسالة
و فی مثل هذا النزول تنزیل لشانه و تحقیر لمکانه و لا یلیق ذلک بشان الرسل
او ینزل و هو رسول متصف بوصف الرسالة کما کان قبل رفعه الی السماء و هذا ینافی
قول الله عز و جل فی حق نبینا المطهر المکرم صلی الله علیه و آله و سلم و شرف و عظم
ما کان محمد ابا احد من رجالکم و لکن رسول الله و خاتم النبیین الآیة و خاتمهم
من لا یکون بعده نبی کما قال علیه الصلوٰة و السلام لا نبی بعدی فاذا لم یکن بعده
نبی فکیف ینزل عیسیٰ و هو رسول نبی و جوابه بالنقض بان ما عدا النبی صلی الله
علیه و سلم من الانبیاء کلهم حال کونهم فی البرزخ بعد بعثة نبینا صلی الله
علیه و سلم او حال ما یکونون فی عالم المعاد هل هم معزولون عن وصف الرسالة

یقین کر لینے اور مسیح علیہ السلام کے آسمان پر زندہ ہونے کے تسلیم کرنے میں کوئی منافات نہیں
آتی چنانچہ تامل سے ظاہر ہے۔ کاویانی کی استدلال یہ بھی ہے کہ اگر مسیح علیہ السلام آسمان پر
زندہ ہوں اور وہی پھر اتریں گے تو یا تو نزول کے وقت وصف رسالت سے معزول ہونگے حالانکہ
یہ انکی تحقیر اور منافات ہے یا تو اس وصف کے ساتھ موصوف ہوتے ہی اتریں گے جیسے کہ رفع سے
پیشتر رسول تھے لیکن قرآن میں ہمارے سید مولا حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی شان
میں فرمایا گیا ہے کہ نہیں ہیں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے مردوں میں سے کسی ایک کے
باپ بلکہ وہ خداوند تعالےٰ کے رسول ہیں پیغمبروں کے خاتم ہیں۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ
آپ کے بعد کوئی نبی از سر نو مبعوث نہیں ہوگا چنانچہ حدیث میں بھی آیا ہے کہ میرے بعد
کوئی نبی سر نو مبعوث نہیں ہوگا۔ پس جبکہ انکے بعد کوئی نبی نہیں تو مسیح علیہ السلام نبوت کیساتھ
کیسے نازل ہو سکتے ہیں پس یہ عقیدہ کہ مسیح نبی ہی ہوتے اتریں گے صاف طور پر آیت قرآن سے
مخالف ہے۔ الجواب پہلے ہم اجمالاً نقض کریں گے۔ بایں طور کہ ہمارے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے بعد جتنے پیغمبر تھے وہ تمام عالم برزخ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے
کے بعد وصف نبوت سے موصوف تھے

لا تحصى ثم الد ذلك المعترض هذا الاعتراض المزخرف فی موضع اخر من کتابه
بان المسیح لو کان حیًا فی السماء منتظر انزوله الی الارض فاذا نزل والحال انه لا یعرف
العربیة فیحتاج الی علم القرآن ولا یتیسر له ذلک لعدم معرفته العربیة ویتعسر له
التعلم فی تلک الحالة لشیخوخته فیحتاج الی ان ینزل علیه کتاب جدید بلسانه
فیقرء الناس کتابه ویقرء فی صلوته من ذلک الکتاب ویعلم الناس الکلمة
بلسانه وفی هذا استیصال لدین الاسلام اقول متمسکا بلاحول ولا قوة الا بالله
العلی العظیم ومستعیذ بالله من الشیطان انضال المضل الرجیم ان کل ذلک
سفسطة من سفسطاته ولا ادری انه کیف حصل له العلم الیقینی بان المسیح لم یکن
یعرف العربیة مع کون العبریة کثیر التوافق کالفنجابیة والاردویة
فهل یتعسر لمن یعرف احد اللغتین معرفة اللغة الاخری منهما واما شاهد

پھر اس کادیانی نے اپنے اس اعتراض کو دوسرے مقام پر اپنی کتاب میں تائید کی ہے
کہ اگر مسیح ع آسمان پر نزول کے لئے منتظر ہیں تو جسوقت اُتریں گے تو اسوقت تو وہ عربی
نہیں جانتے ہونگے۔ لہذا علم القرآن کیطرف محتاج ہونگے اور یہ تو اُن کے لئے آسان
نہیں ہے کیونکہ وہ عربی جانتے ہی نہیں اور کسی سے تعلیم پانا بھی اُن کے واسطے مشکل
ہے۔ اُسوقت وہ سن شیخوخت میں ہونگے۔ لہذا لازم ہوا کہ اُنپر کوئی نئی کتاب انہی کی
زبان میں نازل ہو۔ تاکہ لوگوں کو تعلیم دیں اور نماز میں پڑھیں۔ لوگوں کو اپنی زبان میں
ہی کلمہ توحید کی تسلیم دیں حالانکہ دین اسلام کو گویا جڑھ سے اکھاڑنا ہے۔ ہم لاحول ولا قوۃ
سے تمسک کرکے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم الضال والمضل پڑھکر اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ سب کچھ
باطل ہے معلوم نہیں ہوتا کہ کادیانی کو یہ علم یقینی کہاں سے حاصل ہوا کہ مسیح علیہ السلام عربی نہیں
جانتے۔ حالانکہ عبری اور عربی زبان آپس میں بہت ہی موافق ہے۔ جیسے کہ پنجابی۔ اردو زبان
ایکدوسری سے بہت کچھ موافق ہے۔ اب کہیے کہ پنجابی دان پر اردو کا جان لینا
دشوار ہے ہرگز نہیں۔ پس کادیانی کا یہ کہنا کہ مسیح علیہ الصلوۃ والسلام پر
عربی کا علم دشوار ہے مردود ہے۔ کیا دیکھا نہیں ہوا ہے۔ کہ

وقول الناقص ان هٰذا يخالف قول الله عز وجل ما كان محمد الاٰية غير متوجه
اذ النبي صلى الله عليه وسلم اٰخر الانبياء بعثًا بمعنى انه اوتي النبوة بعدما اوتيها
سائر النبيين عليهم من الصلوٰة اتمها ومن التسليمات اكملها وليس باٰخرهم
بقاءً بمعنى ان كلهم مما عداه صلى الله وسلم عليه وعليهم بعد رسالته صاروا
معزولين عن مناصب نبواتهم ورسالاتهم ولا منافاة بين كونه صلى الله عليه
وسلم خاتم النبيين واٰخرهم وبين بقاء نبواتهم ورسالاتهم لان المعية
بين الشيئين بقاءً لا ينافي بعدية احدهما واولية الاٰخر حدوثًا كما ترى
في البناء والبنّاء وفي الابن والاب فان حدوث البناء بعد حدوث البنّاء و
حدوث الابن بعد حدوث الاب مع تحقق المعية بينهما بقاءً وامثلته كثيرة

رہی یہ بات کہ یہ عقیدہ آیت (جس کا مضمون مختصر یہ ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں) اس کے مخالف ہے سو ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعثًا آخر الانبیاء ہیں بایں معنے کہ وہ بعد از انکہ باقی انبیاء علیہم السلام نبوت دیئے گئے ہیں، نبوت عنایت کئے گئے اور آپ بقاءً نبوت میں ان سے متاخر نہیں ہیں یعنے آپ کے خاتم النبیین ہونیکے یہ معنے نہیں کہ اور پیغمبروں سے پیغمبری چھینی گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے[1] اور ان سے متاخر ہونے۔ ان پیغمبروں کی رسالت و نبوت باقی رہنے میں کچھ منافات نہیں ہے کیونکہ دو چیزوں کی بقاء میں معیت ایک کی بعدیت۔ دوسرے کی حدوثًا اولیت کو منافی نہیں ہے۔ دیکھو عمارت اور معمار۔ بیٹا۔ باپ اسلئے کہ عمارت معمار کے موجود ہونیکے بعد موجود ہوتی ہے۔ بیٹا باپ کے موجود ہونے کے بعد موجود ہوتا ہے۔ معہذا عمارت۔ معمار۔ بیٹا۔ باپ بقاء میں معیت رکھتے ہیں۔ دوسری مثالیں بھی ہیں لیکن اتنے ہی مثالوں پر کفایت کی گئی۔

[1] کادیانی صاحب نے بھی حدیث لا نبی بعدی جس کا مضمون ہے کہ میرے بعد وحی نہیں اترے گا۔ دعویٰ مسیحیت پر چسپاں و چالاک کر دیا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ انکو اتنے عریض و طویل دعوے کے ہوتے پتہ معلوم نہیں ہوا کہ یہ حدیث ہی صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ ہم انوار محمدی کے بعض ابواب میں بیان کر چکے ہیں ۱۲ مسلم مترجم

علم بها الا بتعليم المسيح بن مريم وليس ذلك على الله بعزيز اما قرع صماخ اذنه
ان صاحب القوة القدسية تصير النظريات كلها بديهية عنده وهذا مجمع عليه
عند اهل المعقول فكيف يستبعد ذلك ولم يستبعد هذا ولئن سلمنا استبعاده
او استحالته فلا نسلم ان تبليغ احكام الشريعة وتفهيم معاني القرآن وتادية مفاهيم
كلمات التوحيد بلغة غير العرب تبديل للاسلام ونسخ للاحكام واستيصال
للدين المتين لانه لو كان كذلك للزم كون المسلمين كلهم من غير العرب مبدلا
للاسلام وللزم كون الكاتب ايضا لما انه يؤدي العقائد ومعاني القرآن وكلمات التوحيد
حسب ما يرتضيه بالهندية مبدلا للاسلام ومعرضا عنه ولوجب ان من ايقن بان الله

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے باوجود امّی ہونے کے بے کنار دریائی علوم عنایت کیا تھا جس نے
انکو عنایت کیا وہی مسیح ؑ کو عنایت کریگا۔ ابھی کادیانی کے کانوں کو اس خبر کی ہوا کی چوٹ نے
نہیں کھڑکایا ہے کہ صاحب قوت قدسیہ کے سامنے نظریات بھی بدیہی ہوجاتے ہیں۔ یہ
بات اہل معقول کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ پس کیسے مسیح کا عربی کو جان لینا بعید سمجھا گیا
اور وہ بعید نہیں سمجھا گیا۔ اگر اس کے بعید ہونے کو ہم تسلیم بھی کرلیں۔ لیکن اس بات کو تسلیم
نہیں کرتے کہ معانی قرآن کا سمجھنا۔ کلمات توحیدیہ کے معانی کو ادا کرنا عربی کے بغیر دوسری
زبان میں اسلام کو بدل ڈالنا ہے۔ احکام کو منسوخ کردینا ہے[۱] دین اسلام کو جڑ سے اکھاڑنا
ہے جیسا کادیانی کہتے ہیں۔ اسلئے کہ اگر ایسا ہوتا۔ تو لازم آتا کہ مسلمان اہل عرب کے سوا سب کے
سب اسلام کو بدل ڈالنے والے ہوں۔ بلکہ خود کادیانی جو عقائد اور معانی قرآن۔ معانی
کلمات توحیدیہ کو اردو میں جیسے کہ اسکو پسند آتے ہیں ادا کرتے ہیں نیز محرف اسلام ہوجا
ابھی کادیانی کی تقریر سے تو لازم آتا ہے کہ اگر کوئی شخص خدا کی توحید

[۱] ۔ حدیث میں آیا ہے کہ مسیح علیہ السلام جزیہ کو موقوف کردیگا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ناسخ شریعت محمدی
ہونگے وجہ یہ ہے کہ یہ حکم بھی درحقیقت احکام محمدیہ سے ہے۔ ہاں یہ تو ضرور ہے کہ یہ حکم اس زمانہ کے واسطے ہے کہ جب مسیح ؑ
اتریںگے چنانچہ ہم انوار محمدی کے بعض ابواب میں بخوبی اسبات کا فیصلہ دے چکے ہیں ۱۲ مترجم

الذين يعرفون السنة مختلفة ويقدرون على اداء مضامينهم بلغات متنوعة
اليسر في نفسه ايترا انه مع كونه من خمسة ماء يعرف لغتها ويعرف اللغة الفارسية
فاي شئ اعجز المسيح من تعلم العربية اما بتعليم الله تعالى او بتعليم معلم من البشر
لسبق التقدير الازلي على كونه مجددًا لهذا الدين ولم يعجز الكاند؟ من معرفة
اكثر من لغة واحدة فباي شئ يتيسر ذالك لغير النبي ولم يتيسر للنبي الذي تكلم
حال كونه صبيًا وقال اني عبد الله اتاني الكتاب وجعلني نبيًا مباركًا ولو سلم
عدم علمه العربية قبل رفعه الى السماء فمن اين جزم بانه يتعلم في الملكوت ولئن سلم عدم
تعلمه هنالك فمن انبائه انه لا يمكن له او لا يتيسر له العلم بها حين نزولها فمن علم الاسماء
كلها لآدم وعلم نبينا المكرم

جو لوگ مختلف زبانیں جانتے ہیں وہ انکے مضامین کو مختلف زبانوں میں ادا کر سکتے ہیں۔ اچھا
اپنے ہی آپ کی طرف خیال کیجیئے کہ جو خود پنجابی ہے اور فارسی کو جانتا ہے۔ پس یہ کس مونہہ سے
کہتا ہے کہ مسیح تعلیم عربی سے (خواہ تعلیم اللہ ہو یا تعلیم بشر سے۔ اسلیئے کہ خداوند تعالی نے انکو
ازل میں ہی دین محمدی کا مجدد و بنا رکھا ہے) عاجز ہونگے کیا وہ نبی عاجز ہونگے۔ کیا وہ نبی عاجز
ہوا اور کادیانی عاجز نہوا۔ سبحان اللہ مسیح علیہ السلام پر یہ دشوار۔ اور کادیانی کیلئے آسان۔ حالانکہ مسیح
وہ پیغمبر ہیں کہ جن کے حق میں قرآن شریف میں آیا ہے کہ مسیح نے سن صبا میں یہ گفتگو کی کہ میں خدا کا
بندہ ہوں۔ خداوند تعالے نے مجھکو کتاب دی۔ اسنے مجھکو نبی مبارک بنایا۔ اب دیکھئے کہ مسیح
علیہ السلام کی یہ گفتگو سن صبا میں تھی اور کادیانی کہتے ہیں کہ جب اتریں گے (اور باتیں تو درکنار
رہنے دو) تعلم سے بھی عاجز ہونگے۔ نعوذ باللہ منہ۔ اچھا مان لیا کہ مرفوع ہونے سے پہلے آپ
عربی نہیں جانتے تھے لیکن کادیانی کو یہ یقین کہاں سے حاصل ہوا ہے کہ مسیح علیہ السلام کو عالم
ملکوت میں یہ علم نہیں دیا گیا۔ یہ بھی مانا کہ ملکوت میں بھی انکو یہ علم نہیں دیا گیا ہے
لیکن یہ خبر اسکو کہاں سے ملی ہے کہ علم عربی مسیح علیہ السلام کیلئے ممکن یا آسان
نہیں۔ پہلے بانسبت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو کس نے تمام چیزوں
کے نام سکھلائے تھے۔ ہمارے سردار حضرت محمد

بالصّلوٰة والزكوٰة مادمت حيًّا وبرًّا بوالدتی وتقريره بانه لو كان حيًّا للزم كونه
مامورًا فی السّماء باداء الزكوٰة وباحسان والدته وظاهر ان امتثاله بهذين الامرين
وهو فی السماء غير متصور والجواب ان المراد بالزكوٰة ههنا معناها الحقيقی وهی
الطهارة دون معناها المنقول الفقهی المعروف فی كتب الفقه كما اريد بقوله تعالیٰ
ومن تزكّٰی فانما يتزكّٰی لنفسه وبقوله تعالیٰ فاردنا ان يبدلهما ربهما خيرًا منه
زكوٰة واقرب رحمًا وبقوله تعالیٰ عبس وتولّٰی ان جاءه الاعمیٰ وما يدريك لعله
يزكّٰی او يذكر فتنفعه الذكریٰ اما من استغنیٰ فانت له تصدّٰی وما عليك الا يزكّٰی۔
وبقوله عزوجل قد افلح من زكّٰها وبقوله تبارك وسيجنبها الاتقی الذی يؤتی ماله يتزكّٰی

نے مجھکو نماز۔ زکوٰۃ کا جتبک کہ میں زندہ رہوں حکم دیا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے مجھکو اپنی والدہ سے نیکی کنندہ بنایا ہے + استدلال اسطرح پر کرتے ہیں کہ اگر مسیح علیہ السلام آسمان پر زندہ ہوتے تو بلاشبہ آدائے صلوٰۃ ۔ زکوٰۃ ۔ والدہ سے احسان کرنے کے ساتھ مامور ہونے چاہئیں حالانکہ آسمان پر ہوتے نہ تو زکوٰۃ آداء ہوسکتی ہے اور نہ والدہ سے نیکی کرسکتے ہیں۔ پس حکم الٰہی کا خلاف لازم آویگا۔ الجواب یہاں پر زکوٰۃ مالی کی زکوٰۃ مراد نہیں ہے۔ بلکہ طہارۃ جو اس کا حقیقی معنے ہی مراد ہے نہ اور کچھ جیساکہ اُن آیتوں میں جن کا مضمون یہ ہے کہ جو پاک ہوا وہ اپنے آپکے لئے پاک ہوتا ہے۔ انکی خدانے اس بات کا ارادہ کیا کہ اسکے بدلہ ایسا ولد دے کہ پاکیزگی میں۔ صلہ رحم میں بہتر ہو۔ نیز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترش روئی کی جسوقت آپکی خدمت میں نابینا حاضر ہوا کس چیز نے آپ کو یارسول جتلایا شاید کہ وہ پاک ہوجاتا۔ یا نصیحت قبول کرتا۔ پس اسکو نصیحت نفع دیتی۔ اپنے جو دولتمند ہوتا ہے آپ اسکی طرف ہی التفات کرتے ہیں آپ اسکے ذمہ وار نہیں کہ اگر وہ پاک نہو۔ بلاشبہ اس شخص نے خلاصی پائی کہ جس نے اپنے آپکو پاک کیا ہے۔ قریب ہے کہ اس سے ہٹایا جاویگا وہ شخص جو مالدار ہے مالکو خدا کی راہ میں اسلئے خرچ کرتا ہے۔ کہ وہ پاک ہوجائے +

سلہ حضرت مصنف علام ادام اللہ فیوضہم کی تقریر سے مفہوم ہوتا ہے کہ اس بیہودہ اعتراض کا اور بھی جواب ہے وہ یہ ہے کہ زکوٰۃ مالی جب ہی فرض ہوتی ہے کہ مالک نصاب بھی ہو۔ پس چونکہ اہل اسلام اس کے کہ مسیح علیہ السلام تجارت یا خوراک کے لئے مال آسمان پر لیگئے ہیں قائل نہیں ہیں اور نہ یہ ثابت ہے۔ لہذا مسیح پر آسمان پر زکوٰۃ بھی فرض نہیں ہے۔ منہ مترجم

عز وجل متصف بصفاته الكمالية التي دلت عليها النصوص وواحد لا يماثله شيء
ولا يشبهه احد لا في ذاته ولا في صفاته وان اكرم الموجودات واشرف المخلوقات سيدنا
محمد النبي العربي الهاشمي صادق في دعواه النبوة حق ما جاء به من عند الله تعالى
وتلفظ بهذه المعتقدات الحقة الثابتة بلغة يعرفها من غير العربية ودام على هذا
التيقن الاقرار ومات على ذلك لا يكون مؤمنا فهل هذا الا نفي لعموم دعوة القرآن
واثبات لخصوص رسالة رسول الانس والجان وقد قال تعالى وتبارك تبارك الذي
نزل الفرقان على عبده ليكون للعالمين نذيرا وقال عز وجل وما ارسلناك الا رحمة للعالمين
وقال وعز من قائل وما ارسلناك الا كافة للناس وامره الله تعالى بقوله يا ايها الناس اني
رسول الله اليكم جميعا افلم يعلم انه كما ان انكار اصل نبوة نبينا محمد صلى الله عليه وسلم
كفر كذلك انكار عموم نبوته صلى الله عليه وسلم كفر لكون كل منهما متساوي
الاقدام في رد النصوص القطعية وايضا استدل على عدم كونه في السماء بقوله تعالى وما نے

ذاتی وصفاتی۔ جناب سید ومولا حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور اسپر جو آپ
خدا سے احکام لائے ہیں ایمان رکھتا ہے۔ جسکو فارسی کشمیری۔ اردو۔ پنجابی میں بیان کرتا ہو+ باوجود
اسکے کہ اسی عقیدہ اور بیان پر مر بھی گیا ہو مسلمان نہ ہوا العیاذ باللہ پس کیا یہ رسول
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے عموم اور قرآن کی دعوت عامہ سے انکار نہیں ہوا۔ بلکہ انکار
ہے حالانکہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ پاک پروردگار وہ قادر مطلق ہے کہ اسنے اپنے خاص بندہ پر
قرآن کو نازل فرمایا تاکہ وہ تمام عالموں کیلئے ڈرانیوالا ہو نیز فرماتا ہے کہ ہمنے تجھکو یا رسول اکرم
نہیں بھیجا فقط فرمایا مگر تمام عالموں کے واسطے رحمت۔ نہیں بھیجا ہمنے تجھکو مگر تمام لوگوں کی طرف (خواہ
عربی ہوں یا ترکی یا فارسی وغیرہ) نیز فرمایا کہ یا محمد تم کہدو کہ میں تمہارے سب لوگوں کی طرف بھیجا
گیا ہوں+ کیا یہ معلوم نہیں جیسے کہ آپکی خود پیغمبری سے انکار کرنا کفر ہے ویسے ہی آپکی عموم نبوت
سے منکر ہو جانا کفر ہے کیونکہ جس طرح کہ اصل نبوت سے انکاری ہونا نصوص قطعیہ کو رد کرنا
ہے اسیطرح عموم نبوت سے انکاری ہونا نصوص قطعیہ سے لڑائی اور مقابلہ ہے۔ کادیانی مسیح علیہ السلام کے
آسمان پر زندہ نہ ہونیکے لئے یوں بھی استدلال کرتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ مسیح نے بیان کیا کہ خداوند عز اسمہ

والالاحتياج لتصحيح الكلام والاحتراز عن الحذف والمذكور التكلف حمل الصفة المشبهة على المصدر مع ان الضرورة غير داعية الى هذا التكلف لامكان تصحيح ذلك الكلام من غير تكلف بعطف برًّا على قوله نبيًّا فيكونان مفعولين لقوله تعالى وجعلني من قبيل عطف المفرد على المفرد ونعطف جعلني المقدر قبل قوله برًّا على قوله وجعلني الملفوظ صريحًا فيكون من قبيل عطف الجملة على الجملة وتمام الآية قال اني عبد الله آتاني الكتاب وجعلني نبيًّا مباركًا اين ما كنت واوصاني بالصلوة والزكوة ما دمت حيًّا وبرًّا بوالدتي وعلى هذا التوجيه الصحيح الخالي عن المحذور والتكلف لم يلزم توجه هذا الامر اليه عليه السلام وجوب امتثال

به حال كونه في السماء ايضًا على انا

ہاں اگر برًّا کو باوجودیکہ منصوب الدال والباء سے مجرور پر معطوف سمجھیں گے۔ تو اسمیں یہ قباحت ہے کہ اعتراض بالا کے دور کرنے کے لئے صفت مشبہ یعنی مصدر لینا پڑے گا۔ بایں طور کہ برًّا جو معنے نیکی کنندہ اور صفت مشبہ ہے (جیسا حسنٌ) اسکا معنی یہ ہے یعنے نیکی۔ حالانکہ یہ ایسی بناوٹ ہے۔ کہ اسکا داعی ہی موجود نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ برًّا کو نبیًّا پر معطوف کرکے اصلی معنی (نیکی کرنے والا) میں استعمال کرنا جائز ہے۔ ایسی کونسی ضرورت درپیش ہے جس لئے وہ چھوڑا جاوے۔ جاننا چاہئے کہ جب ہم برًّا کو نبیًّا پر عطف کریں چنانچہ قرآن میں بھی ایسا ہے تو جعلنی کے دو مفعول ٹھہرے۔ ایک نبیًّا دوسرا برًّا۔ اور یہ عطف مفرد کے مفرد پر عطف کرنے کے طرز پر ہوگا۔ اور اگر برًّا سے پہلے ہی جعلنی مقدر مانا جاوے اور یہ جعلنی پہلے صریح جعلنی پر معطوف کردیں تو یہ عطف جملہ کے جملہ پر عطف کردینے کے طریق پر ہوا۔ پوری آیت کا مطلب یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام نے فرمایا کہ میں خدا کا خاص بندہ ہوں۔ اوس نے مجھکو انجیل عنایت فرمائی۔ مجھکو نبی مبارک کہیں پر ہوں بنایا۔ اسنے مجھکو نماز۔ زکوٰۃ کا جب تک کہ زندہ رہوں حکم دیا ہے۔ اوسنے مجھکو اپنی والدہ پر نیکی کنندہ بنایا ہے۔ پس وہ توجیہ جو ہم بیان کر آئے ہیں تکلف اعتراض سے بری ہے اور توجیہ پر بنا کرکے مسیح کا آسمان پر ہوتے بھی والدہ نیکی کرنے کے ساتھ مامور ہونا لازم نہیں آتا۔

وبغير ذلك من الآيات وعلى هذا فعدم تصور امتثال هذا الامر يخفى غاية
الخفاء وتصوره ظاهر كمال الظهور وان خفي على من عمي عين المبتدع الفجور واما لزوم
ايتمار المسيح عليه السلام ببر والدته حال كونه في السماء بهذه الآية فغير ظاهر لان
قوله تعالى برًّا بوالدتي ليس معطوفا على مدخول الجار المتعلق بقوله واوصاني حتى يلزم
ذلك اذ لو كان كذلك لكان مجرورًا مثل معطوفه ولم يكن منصوبا ولقرئ قوله بِرًّا
بكسر الباء لا بفتحها لئلا يلزم كون من يقوم به البر مأمورًا به كما ان الصلوة والزكوة
مأمور بهما مع كونه بديهي البطلان لضرورة ان ما يؤمر به او ينهى عنه انما هو الافعال
دون الذوات فاجماع القراء على فتحها اي الباء عن كونه معطوفا على ذا المنفي

وغیرہ۔ اب دیکھو ان آیات میں زکوٰۃ کا معنی بجز تزکیہ نفس کے اور کچھ نہیں ہے ویسے ہی مسیح علیہ السلام کو بھی تزکیہ نفس کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ ہر جگہ ہو سکتا ہے۔ زمین پر ہو یا آسمان پر پھر کہئے کہ انکے آسمان پر ہونے سے خلاف حکم الٰہی کیسا لازم آیا۔ چنانچہ ظاہر ہے۔ گو ان لوگوں پر جو مبتدعین اور فاسقین کی طرح بصارت نہیں رکھتے ہیں" پوشیدہ ہو رہی یہ بات کہ مسیح علیہ السلام کو گو آسمان پر ہی مستقر مان لیجاویں والدہ سے احسان نہیں کر سکتے اور یہیں خلاف حکم الٰہی لازم آتا ہے" سو واضح ہو کہ یہ بھی غلط ہے کیونکہ یہ اس صورت میں لازم آتا کہ اگر برًّا اصلوٰۃ پر جو اوصانی سے متعلق ہے" معطوف ہوتا۔ کیونکہ اس تقدیر پر یہ معنے ہوتا کہ مجھکو خداوند تعالے نے نماز کا اور والدہ سے نیکی کرنے کا حکم دیا ہے جبتک کہ میں زندہ رہوں لیکن برًّا تو اس مجرور پر معطوف ہی نہیں ہے اسلئے کہ اگر اسپر معطوف ہوتا تو برًّا منصوب نہ ہوتا۔ بلکہ مجرور ہوتا اور برٍّ پڑھا جاتا۔ نیز برًّا کو زیر دیجاتی نہ زبر۔ گر برٍّ ہوتا۔ تو اس کا معنے خالی نیکی ہوگا۔ نہ نیکی کنندہ کیونکہ نیکی کنندہ تو برًّا کا معنے ہے۔ پس چاہئے تھا کہ برٍّ پڑھا جاتا نہ برًّا۔ ورنہ لازم آویگا مامور بہ مسیح ہوں کہ جنکے ساتھ بر قائم ہے جیسا کہ نماز زکوٰۃ مامور بہا ہیں حالانکہ مامور بہ فعل ہوتا ہے نہ ذات اسلئے کہ ذات کا مامور بہا ہونا صریح باطل ہے۔ پھر کہئے کہ قرآن شریف میں برًّا (بفتح با) قدیم الایام سے کیوں لکھا چلا آیا ہے۔ کیوں ہمیشہ برًّا پڑھا جاتا ہے۔ پس قراء کا اجماع برًّا ہی پر اسکے صلوٰۃ پر معطوف ہونے سے انکاری ہے

ثابتة بالدلائل من الآيات القرآنية والاحاديث النبوية واجماع الامة المحمدية على صاحبها الوف صلوات وتسليمات والآيات الدالة عليها قول الله تبارك وتعالى ما المسيح بن مريم الا رسول قد خلت من قبله الرسل وقوله جل وعلا واذ قال الله يا عيسى انى متوفيك ورافعك الىّ وقوله تعالى وما قتلوه يقينا بل رفعه الله اليه وقوله الكريم وان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته وتقرير دلالة هذه الآيات على حيوته مر باكمل وجه واحسن تفصيل ومنها قول الله عز برهانه لقد كفر الذين قالوا ان الله هو المسيح بن مريم قل فمن يملك من الله شيئا ان اراد ان يهلك المسيح بن مريم وامه ومن فی الارض جميعا وتقرير الدلالة ان كلمة ان الداخلة على كلمة اراد من ادوات الشرط التی وضعت لوقوع الجزاء بوقوع الشرط فی المستقبل و

قرآن شریف (جیسا کہ بیان ہو چکا ہے) اور احادیث میں اور اتفاق امت سے ثابت ہے۔ آیات تو یہ ہیں ما المسیح بن مریم الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل۔ اذ قال اللہ یا عیسی انی متوفیک ورافعک الیّ۔ ما قتلوہ یقینا بل رفعہ اللہ الیہ۔ وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ" اب رہا الخ ترجمہ سو وہ مذکور ہو چکا ہے نیز استدلال کا طریقہ ہم بیان کر آئے ہیں مگر اب اور بھی ایک استدلال پیش کریں گے کہ جس سے مسیح علیہ السلام کا زندہ ہونا ثابت ہو گا۔ وہ یوں ہے کہ خداوند عز اسمہ فرماتا ہے۔ کہ بلاشبہ ان لوگوں نے کفر کیا ہے۔ کہ جنہوں نے کہہ دیا ہے۔ کہ خدا وہی مسیح ہے کیا اگر خداوند تعالے مسیح علیہ السلام کے مار ڈالنے۔ ہلاک کر دینے کا ارادہ کرے گا۔ بی بی مریم رضی اللہ عنہا تمام باشندگان زمین کا تو کون اپنے آپ پر مختار ہے۔ کون اپنے آپ کو بچا سکتا ہے۔ پس جبکہ مسیح علیہ السلام وغیرہ میں ہلاکت کی دفعیہ کی قدرت نہیں اور نہ خود مختار ہیں تو وہ خدا کیسے بن سکتے ہیں؟ یہ آیت مسیح علیہ السلام کی حیات پر یوں دلالت کرتی ہے۔ کہ اِنْ کا لفظ جو ارادہ پر داخل ہوا ہے حروف شرط سے ہے اور وہ جزا کے مستقبل میں وقوع کو موضوع ہے اس سبب کہ شرط مستقبل میں واقع ہے۔

وان سلمنا التوجیه الذی ذکرہ ذلک وقطع النظر عن لزوم المحذور والتکلف فلا نسلم ان ایتماره بهذا الامر فی تلک الحال غیر متصور اذا البر کما هو متصور فی زمان حیاة البار والمبرور الیه کلیهما کذلک یتصور فی زمان ممات المبرور الیه بالاستغفار له واهداء ثواب الطاعات الیه فجزم المستدل بعدم امکان بر المسیح علیه السلام بوالدته فی تلک الحالة جزم فی غیر محله وجملة المرام وخلاصة الکلام ان المسیح رسول الله حی الی الآن ومرفوع الی السماء بجسده وهذه المسئلة

کیونکہ بریں تقدیر مَا دُمْتُ حَیًّا (جبتک کہ زندہ ہوں) کی قید لگی ہے، تو صلوٰۃ و زکوٰۃ کی فرضیت کے واسطے ہے۔ نہ بَرًّا کے لیے۔ اگرہم قادیانی کی توجیہ کو ہی مان لیں گے۔ اعتراض بکلف مذکور سے قطع نظر کر لیں تو پھر یہ بات کو کہ مسیح علیہ السلام کا آسمان پر ہوتے والدہ سے بار رہنا متصور نہیں تسلیم نہیں کریں گے کیونکہ احسان جیسا کہ نیکی کنندہ اور نیکی کردہ شدہ کی حیات میں متصور ہے۔ ویسے ہی جس زمانہ میں نیکی کا مستحق مر گیا ہو۔ اس پر احسان کرنا متصور ہے کیا اسکے لئے استغفار اور دعای ترقی درجات اور ثواب پہونچانا احسان نہیں بیشک احسان ہے لیکن یہ تو آسمان پر ہوتے ہی خواہ مستحق زندہ ہو۔ یا مردہ۔ متصور ہے۔ لہذا قادیانیوں کا یہ حکم بالجزم کہ آسمان پر ہوتے احسان متصور نہیں۔ کیسا ہی مہمل ہے خلاصہ کلام کہ مسیح علیہ السلام خدا کے رسول اتبک زندہ ہیں اور آسمان پر بجسدہ موجود ہیں یہ بات کہ یہی بات

لہ حضرت مصنف مرشد الکل کی تقریر سے مترشح ہوتا ہے کہ مادمت حیا بنیا مبارکا کے لئے بھی قید نہیں ہو سکتا ورنہ لازم آویگا کہ مسیح ع بعد الموت نہ نبی ہوں اور نہ مبارک العیاذ باللہ۔ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اگر مادمت حیا برا کی قید بھی مان لیں تو حاضر ہونا خاص خدمت کے لئے شرط ہے دیکھو مسیح ع یا اور کوئی بخدمت خاصہ کے ساتھ تب ہی مامور ہے کہ جبکہ حاضر خدمت ہو۔ اس لئے اگر بیٹا سفر میں اور والدین۔ یا ایک ان میں سے مقیم ہو تو خاص خدمت اسی ضروری سفر میں فرض نہیں ہو سکتی ورنہ چاہیئے تھا کہ مسیح ع جس حالت میں تبلیغ کے لئے مسافر اور والدہ سے جدا ہوتے تھے اس خاص خدمت کی ترک سے گنہگار رہتے نعوذ باللہ منہ یا تو ثابت کر دیں کہ مسیح ع والدہ سے کبھی بھی زمین پر ہوتے جدا نہیں ہوئے تو نا ہم کچھ بن پڑے گا۔ لیکن اسکا ثبوت کہاں ہے ۱۲ مترجم

الاستقبال او استعمال کلمة ان فی معنی لو الدالة علی انتفاء الجزاء بانتفاء
الشرط فی الماضی رجوع الی المجاز من غیر قرینة وقوله عز وجل وامه ومن فی
الارض لیس نصًا فی المعطوفیة علی قوله المسیح بن مریم لیصلح قرینة علی ذالک
الحمل والاستعمال لانه یحتمل ان یکون مفعولًا لفعل مقدر وهو لفظ یساوی
ویکون جملة حالیة فیئول حاصل معنی الآیة الی ان الله قادر علی ان یهلک
المسیح بن مریم والحال انه یساوی امه ومن فی الارض فی عدم الالوهیة فکما
ان الله قادر علی مریم ومن علیهم فکذالک هو قادر علی المسیح لاستواء کلهم
فی نفی الالوهیة بل ان حکم بتعین هذا الاحتمال بالارادة لکان اجدر واحری

استقبال ہے تو یہ تمہارا قول مخالف اصل اور وضع ہوا جو باطل ہے۔ دوم اصلی معنے چھوڑ دینا تب
ہی جائز ہوتا ہے کہ کوئی قرینہ صارفہ موجود ہو۔ اور وہ بھی موجود نہیں ہے۔ پس یہ مجاز کہ ہوا سے
ضرورت مراد رکھ لینا ہے حالانکہ یہ بھی باطل ہے تیسوال جائز ہے ان یعنے لو ہو جسکا معنے یہ ہوتا ہے
کہ شرط چونکہ ماضی ہیں نابود ہے تو جزا بھی نابود ہے۔ الجواب یہیں بھی خلاف وضع۔ مجاز کا اختیار
کرنا۔ بلا قرینہ لازم آتا ہے۔ لہذا یہ بھی باطل ہے۔ شاید آپ یہ کہوگے کہ چونکہ اس آیت میں بی بی مریمؑ
کے مارنے کا بھی ذکر ہے اور وہ بزمانہ ماضی مرچکی ہیں۔ تو یہی بات کا قرینہ ہے کہ آیت حالت
حیات سے حکایت ہے۔ مگر یہ بھی غلط ہے کیونکہ صریحًا اسکا مسیح بن مریمؑ پر معطوف ہونا ثابت نہیں ہوتا۔
ہاں اگر ایسا ہوتا تو حالت مذکورہ سے حکایت ہو سکتی تھی یا یعنے لو لینے کا قرینہ بن سکتا تھا۔ لیکن
ایسا تو نہیں ہے اسلئے یہ حمل یا استعمال صحیح نہیں ٹھہرا۔ وجہ یہ ہے۔ کہ جائز ہے کہ امہٗ (مسیح کی والدہ)
فعل مقدر کا مفعول ہو۔ وہ فعل یساوی (برابر ہے) ہے اور اسے جملہ حالیہ کہتے ہیں ۱۱۔
پس آیت کا ماحصل یہ ہوگا۔ کہ خداوند تعالے مسیح علیہ السلام کے مارنے۔ اہلاک کر دینے پر
درحالیکہ مسیح علیہ السلام اپنی والدہ اور تمام باشندگان زمین کے ساتھ خدا
نہ ہونے میں مساوی اور برابر ہے" قادر ہے۔ پس جیسے کہ
خداوند تعالے مریم وغیرہ کے اہلاک پر قادر ہے ویسے ہی
مسیحؑ کے اہلاک پر قدرت رکھتا ہے مساوات اسلئے ہے کہ مسیحؑ اور مریمؑ وغیرہ خدا نہیں۔

الشرط ههنا ارادة اهلاك المسيح والجزاء انتفاء قدرة الدفع لغير الله المدلول
عليه التزاما بقوله تعالى فمن يملك من الله شيئا فان الاستفهام قائم مقام النفي
ونفي الملك من الله شيئا على تقدير ارادة الله تعالى اهلاكه يوجب ويستلزم
انتفاء القدرة لاحد غير الله عن دفع اهلاكه على ذلك التقدير فيجب كون
كليهما اى الاهلاك وانتفاء القدرة متوقعي الوجود في المستقبل والا لزم
خلاف وضع كلمة ان وتوقع وجودهما في الآتي لا يمكن الا اذا كان المسيح عليه السلام
حيا حين نزول هذه الآية لانه لو لم يكن حيا في ذلك الحين وكان وقوع موته في
الزمان الماضي بالنسبة الى ذلك الحين لادت الآية معنى توقع ارادة اهلاك الهالك
وازالة الزائل وامتناعه غير خفي كامتناع ايجاد الموجود وتحصيل الحاصل وحمل
الكلام لضرورة تصحيح المعنى على حكاية حال حيوته في الدنيا مع كونه حقيقة في

ظاہر ہے۔ کہ شرط اہلاک المسیح کا ارادہ ہے۔ جزا اہلاکت کے دفعیہ پر غیر اللہ کا قادر نہ ہونا۔ گویا جزا
فمن یملک کا مدلول التزامی ہے۔ مدلول التزاما اسلئے ہے کہ یہ استفہام انکاری ہے۔ اور وہ
قائم نفی کے ہوتا ہے۔ بر تقدیر اسکے کہ خداوند تعالے کسی کے اہلاک کا ارادہ کرے۔ غیر اللہ کے
ملک کا منتفی اور نابود ہو تا بالضرور اسکو چاہتا ہے کہ کوئی آپ کبھی ماسوی سوا اللہ اہلاک کے دفعیہ
پر قادر نہو۔ اور یہی جزا ہے۔ لہٰذا واجب ہوا کہ شرط۔ جزا (یعنے اہلاک کا ارادہ۔ غیر اللہ سے قدرت
کا منتفی ہونے) کا مستقبل میں موجود ہو جانا متوقع اور ماٴمول ہو۔ ورنہ لفظ اِن کے وضع کی مخالفت
ہوگی۔ حالانکہ یہ باطل ہے لیکن ان دونوں کے زمانہ مستقبل میں متوقع الوجود ہونے سے لازم آتا ہے
کہ یہ آیت جبکہ رسول کریم ؐ پر نازل ہوئی تھی تو مسیح بھی اسوقت زندہ ہوں کیونکہ اگر فرض کر لیں کہ مسیح
اُس زمانہ میں زندہ نہیں تھے بلکہ رسول کریم ؐ کی پیدائش سے پہلے ہی مرگئے ہوئے تھے تو اس تقدیر پر ہلاک
شدہ کے اہلاک کا ارادہ متوقع ٹھہریگا اور یہ باطل ہے۔ اجی یہ تو ایسا ہوا کہ کہا جاوے کہ خداوند تعالے
موجود کو موجود کرے گا یا نابود کو نابود کرے گا حالانکہ یہ تحصیل حاصل ہے اور وہ محال ہے۔ سوال
اس آیت میں بحالت سی کہ مسیح علیہ السلام اپنی قوم کے درمیان زمین پر زندہ تھے۔ حکایت ہے
لہٰذا اس آیت سے مسیح علیہ السلام کا زندہ ہونا ثابت نہیں ہوگا۔ الجواب اولاً کہ اِن   در اصل بعید

النقل فی کتاب من کتب الشریعۃ علی خلاف ما من لدن زمان الصحابۃ الی یومنا ھذا
اذ لو لم یکن الاجماع منعقدًا علی حیوتہ وکان القول بمماتہ مذھبًا لاحد من المسلمین
لنقلہ الناقلون ولم یطبقوا علی عدم نقلہ وتفسیر حبر الامۃ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ
عنہما قولہ عز وجل انی متوفیک بقولہ انی ممیتک لیس نصًا فی معنی اماتتہ لان
اسم الفاعل لکونہ اسمًا لا اختصاص لہ بزمان دون زمان کما یدل علیہ ما صرحوا
الاسم بہ وما رواہ النسائی وابن ابی حاتم عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما لما اراد
اللہ ان یرفع عیسیٰ خرج علی اصحابہ وفی البیت اثنا عشر رجلا فقال ان منکم من یکفر بی

نہیں ہے تو پھر کیوں زمانہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ابتک مسیح علیہ السلام کی وفات شرعی کتابوں میں منقول نہیں ہوا جی اگر کسی صحابی یا کسی تابعین یا تبع تابعین یا دوسرے اکابر ملت کا یہ اعتقاد کہ مسیح علیہ السلام مر چکا اور زندہ نہیں ہے ہوتا تو ناقلین اس عقیدہ کو کتابوں میں کیوں نہ نقل کرتے اور اگر یہ کسی کا مذہب ہوتا تو ناقلین بیک زبان اجماعًا کیوں لکھتے کہ مسیح علیہ السلام کا ابتک زندہ ہونا متفق علیہ اور اجماعی ہے۔ ہاں[1] یوں بھی کہنا کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما انی متوفیک کا انی ممیتک (میں تیرا مارنیوالا ہوں) معنے کرتے ہیں۔ کادیانیوں کے لئے مفید مطلب نہیں کیونکہ یہ تفسیر بالتصریح مسیح کے زمانہ گذشتہ میں مرجانے پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ ممیتک اسم فاعل ہے نہ فعل اور اسم کو ماضی یا غیر ماضی زمانہ سے خصوصیت نہیں ہے جیسا کہ اسم کی تعریف سے ظاہر ہے۔ نیز یہ اس حدیث سے ثابت ہے کہ جس کو امام نسائی اور ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کا مضمون یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے جبکہ مسیح کے مرفوع کرنیکا ارادہ فرمایا تو مسیح ایک مکان میں تشریف لائے جہاں ۔۔ ۔۔ اور بھی باراں شخص تھے اسوقت مسیح نے فرمایا کہ تم میں سے بعض لوگ ایمان کے بعد کافر ہو جائینگے۔

[1] کادیانی جو اسکو گوارا اجماع کہتے ہیں اسکی سند پیش کرتے ہیں کہ وہب ابن منبہ کہتے ہیں کہ مسیح مر گئے سو واضح ہو کہ یہ محض دھوکا ہے کیونکہ وہب یہ کہکر کہ مسیح اتنی مدت اموات میں داخل ہوتے ساتھ ہی کہتے ہیں کہ وہ پھر زندہ ہو کر آسمان پر چڑھ گئے۔ اب کہو کہ وہب کس طرح اجماع سے مخالف ہوئے بلکہ وہ بھی اسبات کے قابل ہوئے کہ مسیح ابتک زندہ ہے پس اجماع کو رانہ نہیں بلکہ فہم ہی کور ہے ۱۲ مترجم [2] حضرت مصنف علام دام فیضہ کی تقریر ۱۲

لان المقصود بهذه الآية رد قولهم ان الله هو المسيح بن مريم وذا لا يكون الا
بايقاع المساوات بين المسيح وبين امه ومن الارض في انتفاء وصف الالوهية و
ثبوت وصف العبودية ومع هذا كيف يصح كونه عطفا وقرينة لصرف الكلام
عن حقيقته على ان في اختيار استعمال كلمة ان بمعنى لو مع قطع النظر عن لزوم
المحذور بثبوت المدعى من حيات عيسى عليه السلام اظهر واجلى لانه على هذا
يؤل الى ان الله تعالى لم يرد اهلاكه عليه السلام في الزمان الماضي وهذا هو المطلوب
الذي نحن بصدده فيقال ان حملت كلمة ان على معناها الحقيقي الوضعي فالدليل
ثابت ومدلولنا متحقق وان على معنى لو الذي هو معناها المجازي فالمدعى على هذا
التقدير ايضا ثابت وعلى كل تقدير فالآية دليل لنا وشاهد على حيوة عيسى عليه
السلام كما لا يخفى على من له ادنى دراية واما الاجماع على حيوته الى الآن فلعدم وجود

بلکہ قابل تدبر یہی ہے کہ امہ کو لیبا وی کا مفعول سمجھیں اور آیت کا معنی وہی ہے جو ہم بیان کرتے ہیں
سبب یہ ہے کہ اس آیت کا مقصود یہ ہے کہ جو لوگ مسیح علیہ السلام کو خدا بتلاتے ہیں انکی تردید ہو
اور تو کچھ مقصود نہیں لیکن یہ مطلب جب ہی اس آیت سے حاصل ہوگا کہ مسیح علیہ السلام کو مریم وغیرہ سے
خدا ہونے میں مساوات ہو۔ اب چونکہ یہ مطلب ایسی تقریر پر موقوف ہے جو کہ ہم بیان کرتے ہیں تو اسی
تفسیر کو قبول کرنا واجب ہوا پھر معہذا ایسا امہ کا معطوف و قرینہ ہونا صحیح ہوگا۔ بنابراں اس آیت سے
مسیح علیہ السلام کا زندہ ہونا ثابت ہوا۔ نیز اگر ان کو بمعنے لو کے لینگے تو ہمارا مفید مطلب ہے وجہ یہ ہے کہ گو ہم
اعتراض سابق سے قطع نظر ہی کر کے ان کو بمعنے لو کے لیں گے تو آیت کا یہ معنی ہوگا کہ خدا نے زمانۂ ماضی میں
مسیح کے اہلاک کا ارادہ نہیں کیا۔ پس اس سے صاف لازم آتا ہے کہ مسیح مرے ہی نہیں ہیں۔ آخر جب خداوند تعالی نے
مسیح کے ہلاک کر دینے کا زمانہ گزشتہ میں ارادہ ہی نہیں کیا تو مسیح کیسے مرے۔ لہذا اس توجیہ سے بھی
ہمارا ہی مطلب ثابت ہوا اسلئے ہم کہتے ہیں کہ اگر ان سے حقیقی اور وضعی معنی مراد لینگے تو دلیل متحقق ہے۔
مگر یہ ہمارا مقصود حاصل ہے۔ کادیانیوں کا نہیں۔ اگر ان سے لو کا معنے لینگے تو اس تقدیر پر بھی ہمارا ہی
دعوی ثابت ہے نہ کادیانیوں کا۔ غرضکہ ہر تقدیر آیت ہمارے لئے حجت ہے۔ انکے لئے نہیں چنانچہ یہ بات ادنے
عقلمند پر بھی روشن ہو۔ اب امت محمدیہ کا اجماع لو۔ اجماع سے ہی ثابت ہے کہ مسیح اب تک زندہ ہیں۔ اگر یہ بات اجماعی

وصاحب الوجيز والبيضاوي القول بوقوع موته الى النصارى وانه قال في الوجيز تحيوة المسيح مما اجمع عليه المسلمون واخبر الحافظ ابن القيم والفاضل الكهنوي نقلا عنه بتحقق اجماع المسلمين كلهم على حياته عليه السلام فلم يبق للمنقول عن وهب محمل سوى ذالك الاحتمال ولئن تاملت في رسائل الكادياني ما وجدت دليلا لا شرعيا ولا عقليا بيده على ما ادعاه ووجدت اقوى دلائله ما لا يعده اولو العقول دلائل بل استبعادات واهية واستيحاشات بعدم موانسته كما هو داب ارباب الجهالات من عد الاستبعاد استدلالا كاستدلال بعض كفرة ايام الجاهلية باستبعاد احياء العظام وهي رميم وقد خبر عنه الله الحميد في كتابه المجيد حيث قال عز وجل اولم ير الانسان انا خلقناه من نطفة فاذا هو خصيم مبين. وضرب لنا مثلا ونسي خلقه قال من يحي العظام وهي رميم وكاستدلال بعضهم كما حكى الله تعالى اجعل الآلهة الها واحدا ان هذا لشيء عجاب وكثير من

اور صاحب وجیز نے اوس قول کو نصاریٰ کیطرف منسوب کیا ہے بھلا ایسا کیوں نہو۔ وجیز میں لکھا ہے کہ مسیح ؑ کے اب تک زندہ ہونیکے بارہ میں اجماع ہے۔ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ اور فاضل لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نقلا بیان کرتے ہیں کہ کل مسلمانوں کا مسیح علیہ السلام کے زندہ ہونیکے پر اتفاق ہے۔ لہذا وہب کی نقل کے واسطے اور کوئی محمل بسوا اسکے جو ہم بیان کر آئے ہیں نہیں ہے۔ اے ناظرین اگر آپ کادیانی کے رسائل کو غور سے دیکھیں گے تو واضح ہوجاویگا کہ کادیانی کے پاس نہ تو شرعی اور نہ عقلی دلیل ہے۔ صرف یہی دیکھینگے کہ اسکی دلیل بجز اسکے کہ یہ خلاف عادت ہے یا بعید ہے اور کچھ نہیں۔ یہی اسکا بھاری تماشا ہے لیکن یہ داب ان لوگوں کا ہے کہ جنکو علم نہیں ہے یا ایسا ہے کہ جسطرح زمانہ جاہلیت میں کفار بوسیدہ ہڈیوں کے زندہ ہونے کو (قیامت کو) بعید اور محال جانتے تھے چنانچہ خداوند تعالیٰ اسکی قرآن میں خبر دیتے ہیں کہ انسان نہیں سوچتا ہے کہ ہمنے اسکو نطفہ سے پیدا کیا ہے اب وہ ظاہر جھگڑالو بن گیا ہے اور وہ مثال بیان کرتا ہے اور اپنی پیدائش کو بھول گیا ہے۔ یہ انسان کہتا ہے کہ خداوند عزاسمہ قیامت کو بوسیدہ ہڈیوں کو کیسے پیدا کریگا یعنے کافروں کا اسکو بعید سمجھنا بالکل باطل ہے کیونکہ جیسا دیکھتے ہیں کہ انسان کو منی کی

من بعد ان آمن ثم قال ایکم یلقی شبهی فیقتل مکانی فیکون له الجنة فقام شاب احدثهم سنا فقال انا فقال اجلس ثم اعاد فعاد فقال اجلس ثم اعاد فعاد الثالثة قال فصلب بعد ان رفع عیسی الی السماء وجاء الطلب من الیهود فاخذوا الشاب اه کما الیز وما نقل عن وهب فغیر مستند ولئن سلمنا استناده فلا یضر اجماع المسلمین لاحتمال انه نقل ذالک من اهل الکتاب ویؤید هذا الاحتمال نسبته محمد بن اسحاق

اسکے بعد آپنے فرمایا کہ تم میں سے اگر کوئی اس بات کو قبول کرے کہ اسکی شکل گویا میری شکل کی بنا دی جائے اور میرے بدلے صلیب پر چڑھایا جاوے تو وہ بہشت میں داخل ہوگا۔ انمیں سے ایک شخص نے جو جوان تھا اس بات کو قبول کیا غرضکہ مسیح علیہ السلام نے اسی تین بار بٹھلایا اور تین بار ہی دریافت فرمایا اور اسنے ہر دفعہ قبول کیا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسیح اسکے بعد آسمان پر چڑھایا گیا اور اس شخص کو یہودیوں نے اس گمان سے کہ مسیح علیہ السلام یہی ہے صلیب پر چڑھا کر مار دیا۔ اب دیکھئے کہ اس روایت سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ مسیح علیہ السلام کے بجسدہ مرفوع ہونے کے قائل ہیں۔ اب رہی یہ کہ اس سے جسکی خواہش ہو کرتا جاوے منع کون کرتا ہے۔ سوال وہب رض کہتے ہیں کہ مسیح کچھ عرصہ مر گئے تھے۔ پس اجماع کہاں ثابت ہوا۔ جواب اولاً یہ قول سنداً بیان نہیں کیا گیا۔ دوم اگر مان ہی لیں کہ یہ قول مستند ہے۔ تو جائز ہے کہ یہ اہل کتاب سے لیا گیا ہو چنانچہ یہی مؤید ہوتا ہے اس سے کہ محمد بن اسحاق اور بعض راوی

ء ثابت ہوتا ہے۔ کہ جائز ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہو کہ خداوند تعالے فرماتا ہے کہ میں تجھکو اے مسیح بعد از رفع قریب قیامت بعد النزول مارونگا۔ مترجم کہتا ہے۔ کہ یہی حق ہے۔ کیا دیکھتے نہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ مسیح علیہ السلام کے اب تک زندہ ہونے کے قائل ہیں۔ دیکھو ارشاد الساری شرح صحیح البخاری میں لکھا ہے کہ ابن جریر رض نے سعید بن جبیر رض کی طریق سے ابن عباس رض سے صحیح السند روایت کی ہے کہ جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ابن عباس رض مسیح کے قریب قیامت تک زندہ ہونیکے قائل ہیں جسکو تفصیل کا شوق ہو وہ تحقیق کرے۔ اب اگر ممیتک سے وہی نہ سمجھا جاوے کہ جس کیطرف حضرت مصنف نے ارشاد فرمائی ہو تو سچ کہو کہ ابن عباس رض کے اقوال میں تناقض نہیں ہوگا۔ ہاں ضرور ہوگا۔ مترجم عفی اللہ تعالے عنہ

قد حصل الفراغ سنة ١٣٠١هـ الف وثلاثمائة واحد عشر في عاشر الجمادى الاولى يوم
الاثنين من الترجمة الهندية للكتاب المسمى بالالهام الصحيح في اثبات
حياة المسيح الذي هو من تصانيف العلامة الجامع للعلوم النقليه والعقلية
كاشف [illegible] استاذنا [illegible] المحقق الفاضل اللوذعي الالمعي محيط دائرة الاسرار
مجرد [illegible] العلوم الهمام النحرير الطمطام المفيد والمفتى في الليل والنهار
[illegible] الصحابية [illegible] شهير [illegible] صنفه [illegible] كتاب [illegible]
[illegible] كرام [illegible] في بحر [illegible] عظام والعظام ٭
[illegible] السعادة والفضائل [illegible] والاسلام [illegible]
[illegible] العلوم [illegible]
اهل [illegible] الا [illegible] ضلالة
العلماء بين ايديهم [illegible] الباطلة [illegible] في رد العلماء
ويكون عليهم فلا شك انه [illegible] الصلحاء والاولياء [illegible] والاصحاب
ولا عبرة باتباع الاراذل الجهلة الاسوار [illegible] فان [illegible] الله لا من
يحبه من لا يرضى عنه الله وبالجملة هو [illegible] الصالحين [illegible]
وجمع الفتاوى [illegible] في اتباع السنة السنية [illegible] الحنفية [illegible]
[illegible] القول [illegible] الفحول [illegible] استاد
الكل حضرت مولانا المفتي [illegible] غلام رسول [illegible]
والنقشبندية [illegible] والقادري [illegible] الله الاحد
[illegible] الخليفة [illegible] وصاحب السجادة
[illegible] الله الصمد [illegible] المعروف [illegible]
[illegible] الله [illegible] بطول بقائه [illegible]
[illegible] مصطفى ابن ذي [illegible]

[illegible]

هذه الامثال مذکور فی کتاب المستطاب وقد حصل الفراغ من تحریر هذه
الرسالة النافعة سنة الف وثلثمائة واحدی عشر من الهجرة النبویة علی صاحبها
الوف الوف صلوة وتحیة والمرجو من المطالعین لها ان لا ینسونی من ادعیتهم
فی خلواتهم وقاتهم بالعافیة ولا نسلاک بمسالک اهل السنة والاختتام
بحسن الخاتمة ولیکن اختتام الرسالة بهذا الکلام وعلی الله التوکل وبه الاعتصام
واخر دعونا ان الحمد لله رب العالمین وصلی الله علی خلقه وخیر خلیقته محمد واله
وصحبه وعشیرته ومن تبعهم الی یوم الدین اجمعین ط

پیدا کرتا ہے تو وہ ہڈیوں کو زندہ کیوں نہیں کر سکتا ہے ہڈی تو از کردہ ہی انسانیۃ کی طرف
اقرب ہے۔ اسیطرح پر کافروں کے اعتقاد سے قرآن شریف میں یوں خبر دی گئی ہے کہ کافر وں نے
کہا ہے کہ معبود کا ایک ہی ہونا عجیب ہے غرضکہ اسیطرح پر قرآن شریف میں کافروں کے عقیدات
بیان فرمائے گئے ہیں۔ مگر بخوف طول مختصر ہی پر بس کیگئی۔ فائدہ کا دیانیوں اور نیچریوں
نے درحقیقت محال اسکو بھی سمجھ لیا ہے جو نادر الوقوع ہو نیز اسکو جو انکی عقل سے بعید ہو۔ مگر تعجب
آتا ہے کہ ڈیل ڈال تو پنجابی فرانس تک ہو جز طویل رکھتے ہیں اپنی عالی فہمی پر تو اتنے
نازاں ہیں کہ علما و فضلا اسلام کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں لیکن یہ معلوم نہیں کہ محال کس
چڑیا کا نام ہے بھلا مانس یہ تو بتائے کہ محال ورجتے اور نادر الوقوع اور ہے۔ رہی عقل سو اگر
انکی عقل سے بعید ہے تو اہل اسلام کی عقل کے نزدیک ایسے امورات کا خداوند تعالیٰ سے ظہور بالکل آسان
اور وہ قادر مطلق ہرگز ایسے امورات کے پیدا کرنے میں عاجز نہیں گو انکی عقل اسکو عاجز سمجھ لے نیز الله ان کی
عقل کا پابند ہی کو منظور ہے تو پھر وہ کیوں اپنی عقل پر بھروسہ کر کے نقول قطعیہ کو تاویلات رکیکہ سے مطابق
عقل بنانا چاہتے ہیں کیا آیات امر یقینی کو غیر یقینی پر محمول کرنا دانشمندی ہے۔ انتہی
حضرت مصنف فرماتے ہیں کہ بلاشبہ اس کتاب کے لکھنے سے جو لوگوں کے لئے نافع ہے ۱۳۱۱ ہجری
میں ہم فارغ ہو گئے۔ آپ ناظرین سے التماس ہے کہ اپنے خاص وقتوں میں ہمکو دعائے حسن خاتمہ
و امثال سے یاد کر تے رہیں اسی کلام سے اس کتاب کا اختتام بھی ہوا۔ خداوند تعالیٰ ہی پر بھروسا ہے
آخری ہمارا یہ دعا ہے کہ تمام حمد اللہ کو ... اور ... اسکی خلق اور انکی قوم کیا اولاد کیا یار وغیرہ پر رحمت نازل فرماوے

عالم ہونگے۔ اب دیکھئے کہ کادیانی کیسے مہدی کہلا سکتے ہیں وہ حضرت سیدۃ النساء کی اولاد نہ
مرزا صاحب مغل کی اولاد میں سے۔ وہ امام مدینہ منورہ میں تولد ہونگے۔ کادیانی صاحب کادیان ضلع گورداسپور
میں پیدا ہوئے۔ وہ برگزیدہ بادشاہ عالم ہونگے۔ مرزا تھا شتکار۔ اگر مدینہ منورہ سے کادیان مراد رکھ لینگے جیسا کہ
دمشق سے کادیان ہی زعم کر لیا ہے۔ اولاد سیدۃ النساء میں سے ہونیکو تشابہت پر محمول کرینگے۔ بادشاہت
سے تسلط باطنی۔ نیز مردود ہے کیا ہو سکتا ہے کہ لفظ مدینہ بولا جاوے اور کادیان مراد رکھ لیا جاوے۔
چہ نسبت خاک را بعالم پاک۔ اور پھر اس قسم کے بے محل استعارات کے واسطے کونسی ضرورت داعی ہے۔
یہ تو صرف ہیر پھیر بازی ہے۔ رہی یہ حدیث "لا مہدی الا عیسیٰ" سو یہ قابل احتجاج نہیں ہے کیونکہ صحت
تک نہیں پہونچی ہے چنانچہ محدث ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے صواعق میں اور دوسروں نے بھی اسکی تصریح
کی ہے۔ سوم جن روایات سے یہ لوگ خسوف کسوف ثابت کرتے ہیں وہ یہ ہیں۔ علی بن عبداللہ ابن عباس نے فرمایا
کہ مہدی تب تک خروج نہیں کرینگے جبتک کہ آفتاب سے کوئی نشان ظاہر نہ ہولے۔ محمد بن علی فرماتے ہیں کہ مہدی کے
لئے دو نشان ہیں ایک یہ کہ چاند کو رمضان کی پہلی رات میں اور سورج کو پندرھویں تاریخ کو گرہن ہوگا۔ اشاعۃ
میں لکھا ہے کہ چاند کو رمضان میں دو بار گرہن ہوگا۔ نیز شریک نے روایت کی ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کے ظہور
سے پہلے رمضان میں چاند کو دو بار گرہن ہوگا۔ من نجم الکرامۃ فی آثار القیامۃ۔ اب ہم کہ مرزا صاحب کیسے سچے
بن سکتے ہیں۔ اولاً مطابق روایات مذکورہ کے چاہئے تھا کہ گرہن پہلی رات اور پندرھویں تاریخ کو ہو۔ لیکن وقتہم
میں ایسا نہوا بلکہ رمضان گذشتہ میں چاند کو چودھویں رات اور سورج کو انتیس تاریخ میں گرہن ہوا۔ چنانچہ
تمام دنیا پر واضح ہے۔ پنجابیوں میں یہ مثال کہ "واہ الٹی سمجھ والیا پیر اینگی سی ہیٹھ نوں۔ دیتوا وپر نوں"
مشہور ہے سو اس موقع پر خوب چسپاں ہے۔ دوم کہ چاہئے تھا کہ چاند کو دو بار گرہن ہو لیکن سال مذکور میں ایک ہی بار
ہوا۔ پھر فرمائیے کہ مرزا کے لئے یہ خسوف و کسوف کیسے حجت ہو سکتا ہے۔ سوم روایات مذکورہ سے یہ بات پائی جاتی
ہے کہ مہدی موعود کے ظہور سے پہلے یہ علامتیں ظاہر ہونگیں۔ لیکن مرزا کا خروج تو سالہا سال از خسوف و کسوف
سے پہلے ہو چکا۔ واہ حدیث فہمی ہمارے دشمن اسم رایت پرستان۔ چہارم علامات کے پائے جانے سے یہ لازم
نہیں آتا کہ صاحب علامات بھی اسکے پہلے یا پیچھے اور پھر قریب قریب ہی موجود ہو۔ کیا دیکھتے نہیں کہ قیامت کی علامتیں
کتنی ہی پائی گئی ہیں اور موافق اقوال مرزا صاحب تو غالباً سب ہی علامتیں موجود ہو چکیں ہیں حالانکہ قیامت کا
ابھی تک وجود ہی نہیں بلکہ خداوند تعالےٰ کو معلوم ہے کہ کب ہوگی۔ پس بالفرض خسوف و کسوف جو واقع ہو چکا ہے

والعلم والتقییٔ (یعنی) عبد العزیز الکشمیری مولدًا والامرتسری مسکنًا والنقشبندی المجددی النوری طریقتًا والقاسمی نسبًا رحمہ اللہ علیہ وعلی اسلافہ الصالحین وانی مع قلة بضاعتی ونقص صناعتی زدت الترجمة علی الاصل تارة فصارت کانھا شرح مختصر وانتخبتہ مرة اخری وتحشیتہ بحواشی مفیدة وذالک للتسہیل علی اہل الخبرة فما ظنک بالجہلة فی زی العلماء فالحمد للہ علی الاختتام ونسئلہ العصمة عن الخطاء وجور الاعداء الظاہرة والباطنة اللہم ونصلی علی رسولہ الکریم وآلہ وصحبہ الف الف الصلاة والتسلیم ومن تبعھم بالاحسان آمین برحمتک یا کریم انت بنا بر رؤف رحیم وبک نستعین ونتحصن بالف الف لا حول ولا قوة الا باللہ

العبد المغفور لہ

تنویر الصبح فی کسوف الشمس والقمر

آجکل سنا جاتا ہے کہ بعض لوگ عقل کے اندھے بیان کرتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے کہ مسیح کے ظہور کی علامت یہ ہے کہ رمضان میں چاند اور سورج کو گرہن ہوگا۔ سو چونکہ اس رمضان میں جو ۱۳۱۱ ہجری میں واقع ہوا ہے چاند اور سورج دونوں کو گرہن ہوا۔ تو کادیانی کا مسیح موعود ہونا ثابت ہوگیا ہے۔ سو واضح ہو کہ اولاً مدعی پر لازم ہے کہ ایسی روایات کا قابل احتجاج ہونا ثابت کرے۔ ورنہ کس طرح یہ کہ مدعی خسوف مسیح کی علامت ٹھہریگا۔ دوم کہ رمضان میں کسوف و خسوف کا ہونا امام مہدی علیہ السلام کے خروج و ظہور کی علامت ہے نہ مسیح موعود کی شاید اسکے جواب میں یوں کہدیں کہ کادیانی مہدی ہونیکا بھی دعوی کرتا ہے تو صاحبو یہ بھی غضب ہے۔ جیسا کہ اسکا مسیح موعود ہونا از قبیل تمسخر ہے یہ بھی اپنے منہ سے جو کہینگے کہتے جاویں سے پیچیا باش ہرچہ خواہی کن مگر علماء اسلام اور دانشمند لوگ ایسی غپ پر ہرگز یقین نہیں کرتے۔ کیونکہ صحیح احادیث میں آیا ہے کہ مہدی موعود حضرت سیدة النساء فاطمة الزہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد سے ہونگے۔ امیر المومنین حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مہدی علیہ السلام مدینہ منورہ میں پیدا ہونگے۔ احادیث میں آیا ہے کہ وہ تمام دنیا کے

اس صورت میں بے شک ایسے لوگ اسلام کے دشمن سمجھے جائیں گے۔ باز آؤ۔ باز آؤ۔ باز آؤ۔ مسلمانوں میں تو پہلے ہی اختلافات اور جھگڑے ہیں تم نے اور بھی مسلمانوں میں تفرقہ ڈال دیا ہے تعجب ہے کہ جو لوگ آجکل مرزا کے مسیح موعود کے اثبات میں کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ واعظ حسن علی صاحب جو آجکل مدراس بنگال وغیرہ میں اہل اسلام میں تفرقہ ڈال رہے ہیں اور لوگوں کو مرزائی بنانا چاہتے ہیں۔ گو وہ لوگ قبول نہیں کرتے ہیں۔ یہی امرتسر وغیرہ میں منبر پر چڑھ کر وعظ کرتے تھے کہ مسلمانو سنت و سنت کے جھگڑے چھوڑ دو آپس میں اتفاق پیدا کرو۔ اب وہی دیکھئے فساد پر کمربستہ ہیں۔ نعوذ العیاذ باللہ۔ غرضیکہ حق سبحانہ وتعالیٰ اگر اسلام کی حفاظت کریگا تو مسلمان متفق بھی ہو جاوینگے۔ ورنہ آجکل کے مدعیوں نے کوئی دقیقہ فساد کا باقی نہیں چھوڑا۔ پہلے سے یہ کہا ہے جو شیخ نے کہا ہے بعض نیک نیتی سے لکھا ہے تم اسے قبول کرو اور نیک عقائد کے پابند ہو۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

تمّ

خاکسار

ابو الحسن غلام مصطفیٰ مترجم

تقریظ از صاحب فطانت و صلاح آگین و باعز و تمکین مولوی غلام محی الدین سلمہ اللہ المبین ابن اخ حضرت مصنف

و برادر عم زاد مترجم

الحمد للہ الذی نجانا من مکائد الکائدین وحفظنا من شرور المحدثین فی الدین والصلوۃ والسلام علی رسولہ وحبیبہ الذی اسری بہ من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی ومنہ الی السموات العلی وعلی الہ واصحابہ الذین اشاعوا دین الحق والھدی اما بعد فہذا کتاب مستطاب مملو من البیان الفصیح المسمی بالالہام الصحیح فی اثبات حیات المسیح تالیف السلیم زبدۃ الکاملین

اگر یہی مہدی کی علامت ہو تو اس سے کب لازم آتا ہے کہ مہدی موجود ہو چکا ہو۔ یا بعد ازاں نئے الفور کوئی موجود ہو جائے نہیں جائز ہوگا کہ مہدی اس سے متاخر سا لہا سال ہو۔ علاوہ بریں مہدی موعود کے ظہور کی یہی چند نشانات ہی نہیں ہیں۔ بلکہ اور بھی ہیں۔ دیکھو حسین بن صامت نے حسین بن علیؓ سے سوال کیا کہ حضرت مہدی علیہ السلام کی نشانی انکے ظہور سے پہلے بھی کوئی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بنی عباس ہلاک ہونگے بعد ازاں ایک سفیانی اپنا خروج کریگا۔ اور وہ زمین بیدا میں دھنس جاوے گا۔ غرضکہ حضرت امام نے فرمایا کہ یہ علامتیں یکے بعد دیگرے ظاہر ہو ویں گی۔ بنی عباس تو ہلاک ہو چکے ہیں باقی دو علامتیں ابھی تک ظاہر نہیں ہوئیں۔ ملخص از حجج الکرامۃ۔ لہذا یہ دو علامتیں بھی جبتک کہ نہ ہو لیں تب تک کوئی مہدی نہیں ہو سکتا ہے۔ علی ہذا القیاس اور بھی نشانات ہیں کہ ابھی تک وہ ظاہر نہیں ہوئے ہیں۔ چنانچہ واقفان حدیث و تواریخ پر واضح ہے۔ رہے یہ محل اشعار اور خرافات۔ سو انکا کیا ٹھکانا۔ اور عبارت ہے جیسا کہ مرزا صاحب کا وہاں کے مخالف نیک مسلمانوں کو اپنے رسالہ میں یزیدی وغیرہ ثابت کر دیا ہو لہے سو صاحبو یہ زبان درازی اور ایک بیہودہ بکواس ہے۔ ایسے مرادی معنے کے لینے سے دانشمند لوگ ہرگز خوش نہیں ہوتے بلکہ سخت نفرت ظاہر کرتے ہیں اور ایسے مضامین کو گندہ سمجھتے ہیں ہاں معہذا اگر بعض سادہ لوح کور باطن ایسی رذیل باتوں پہ یقین کرینگے تو وہ جانیں۔ لیکن میں انکو پھر بھی نصیحت کرتا ہوں اور یاد دلاتا ہوں کہ بھائیو تم ان دعاوی کی طرف التفات نہ کرو۔ ایسے دعاوی تو اس زمانہ سے پہلے ہی ہو چکے ہیں سید محمد جونپوری نے مہدی ہونیکا دعویٰ کیا۔ شام میں ایک ایسے ہی شخص نے مسیح موعود ہونیکا دعویٰ کیا تھا۔ چنانچہ تواریخ کے دیکھنے سے معلوم ہوگا۔ دور کیوں جاتے ہو لاہور میں اسی زمانہ میں ایک بیزری فروش موجود ہے وہ جا بجا کہتا ہے کہ میں مہدی ہوں۔ غرضیکہ مسیح موعود کاشتکار۔ اور مہدی بیزری فروش ہیں مگر اینچنیں قوال را پاپوش ولی اینچنیں۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔ پیارے سادہ لوحو تم کیوں آجکل کے دعاوی پر ایمان لا چکے ہو۔ کیوں نہیں کہہ بیٹھتے ہو کہ آجکل کے دعاوی ویسے ہی غلط ہیں جیسے کہ پہلے بعض طالبان دنیا نے جھوٹے دعوے کئے ہیں کیوں آجکل کے خرافات کے سنتے ہی گھبرا گئے ہو ذرا تو خیال کرو۔ کہ زمانہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آجتک کسی پیشوائے دین نے آیات و احادیث کے یہ معنے کئے ہیں جو آجکل کے مدعی کرتے ہیں۔ آخر تمام پیشوایان دین کو غلط فہم کہہ گئے۔ لیکن

هر آنکه گم شده در جستجوش خود را یافت — چنانکه قطره بقلزم فنا و شد منضم

سزاست حمد و ثنا و ستایش است و ثنا — ولی کز [illegible] چه پرسید چه گو بیان اسم

رسول هادی برحق محمد است که او — که فرد کامل بود است و هم شفیع امم

بآبا و آدم و اولاد او چو [illegible] — سجیه اش همه نیکو نکوش جمله شیم

پیمبر معرفت الله مقصد غواص — هو نیست خارج مصراع [illegible]

ستوده مدح و ثنا [illegible] — ولی که شکل چه [illegible] چه گوید آن اکرم

درین زمانه که قحط الرجال [illegible] — درین زمانه که علم [illegible]

ز خود [illegible] اهل — کنند [illegible]

ز قول و فعل [illegible] — [illegible]

[illegible] لباس تکلف [illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

هر گز نگشت [illegible] — [illegible]

الا بهوش بیار است او که چون [illegible] — وگر ز صاحب [illegible] قلم

کجا لباس [illegible] آن دین — کجا [illegible] افتاده [illegible] کرم

کجا دو طائر [illegible] جناب [illegible] القدس — کجا [illegible]

به بوالحکم چه [illegible] از انکار — [illegible]

دست خورد که چو دم خال است [illegible] — [illegible]

دوام کذب به پی رونقی ست [illegible] — [illegible] ار چه نما [illegible]

مشبک از چه بنا شد [illegible] — زبان [illegible]

کلاغ [illegible] وساده گان [illegible] — [illegible]

دو دیده رق تو یکی چون [illegible] دگر چو دثار — [illegible]

نماید این درجات چو اسفل الدرکات — [illegible]

چو چشم نور کند کور دیدن رویت — [illegible]

الذين خلعوا من اعناقهم ربقة اجماع المؤمنين وانكروا صعود المسيح بجسده العنصري من الغبراء الى الخضراء ويكفرون بحيوته عليه التحية والثناء فحرر فيه ثبوت حياة المسيح وصعوده من الارض الى السماء عليه الصلوة من فنون عديدة لا احصاء مصنفه الذي عم فيضه في الاكناف والاطراف وحصل منه العلوم كثير من الشرفاء وقليل من الاجلاف وهو صاحب مكارم الاخلاق والالطاف عالم من العلماء الفحول مرجع الشيوخ والكهول جامع للمعقول والمنقول حاو للفروع والاصول نائب ابن البتول لا يخاف لومة لائم مولينا واستاذنا ومرشدنا المفتي محمد غلام رسول (پير) الحنفي النقشبندي الامرتسري الذي نسبه الى حضرت القاسم بن حفظه الله من شرور الملحد الظالم بحرمة حضرت ابي القاسم عليه الصلوة والسلام من الله الحاكم وترجمه اخي الاكبر مني سنا والاعلى علما تلميذ المصنف العلام وابن اخيه صاحب الورع والتقى محسود الجهلاء محمود عند العلماء الصلحاء مولوي ابو الحسن (پير) غلام مصطفى القاسمي مصنف انوار محمدي (وغيره) عصمه الله من البأساء والضراء ما دامت الارض والسماء وانا الراجي الى الله المستعان والمعين غلام محي الدين القاسمي الامرتسري مولدا ومسكنا عفا الله عنه واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين ط تمت

قصیدہ متضمن تاریخ (معہ قطعہ تاریخی) از ابلغ بلغاء و افصح فصحا لشعر فطانت شد ۱۳۰۲ و شرافت پناہ جناب سید شاہ احمد صاحب خلف رشید ذو ورع و تقی جناب سید ولی احمد صاحب مرحوم کشمیری ثم الامرتسری

خدائے ہادی مطلق کہ از فیوض کرم	بہشت خاک عطا کرد و درک گردم خرم
سکون بارض و فلک را ہوائے سیار	مرا بعرش و سماک رقرار در قدم

عنہ رضی اللہ عنہ کی حیثیت سے مرتبہ اور فضیلت اُن صاحبوں کی بیان کردی خوشنما اسلوب سے
کسی کو بھی بات شک شبہہ کی نہ باقی رہی سب سے بڑھکے اُن حضرت عالی درجات نے یہ کام کیا کہ اپنے
سچے دین کی حفاظت کا پورا پورا وعدہ خدا تعالیٰ جل شانہ سے لے لیا۔ اس وقت کسی بزرگ کا یہ قول
وردِ زبان ہے الٰہی یا احکم الحاکمین الٰہی و یا اکرم الاکرمین وصل علی سید المرسلین
وصل علی شافع المذنبین وصل علی آلہ الطاہرین وصل علی صحبہ الصالحین۔
بعد حمد خدا و نعت سید انبیا بندۂ درگاہ سراپا پرخطا محمد عبد العزیز خادم علمائے محمدی حق
شناسوں کی خدمت بابرکت میں عرض کرتا ہے کہ دین محمدی کی سچائی ایسی ہمیشہ چمکتا ہے ابتدا سے تا ایندم
بلکہ تا بقائے عالم دشمنان خدا نے کیسا کیسا چاہا اور چاہتے ہیں کہ اس چمکتے ہوئے چراغ کو پھونک سے پھونک کے
بجھا دیں۔ نا اتفاقی کی آتش افروزی کرکے شعلۂ فساد بڑھائیں۔ لاکن وہ قدرتی نور بسان برق طور سو تجلّی دکھاتا
ہے۔ ذرہ زوال نہیں لگتی ہے۔ اوسکو کیسے خود اونہی کا دل جلکے سارا حوصلہ پست و فوشکست ہو جاتا ہے
مجال کیا ہے کہ زبان ہلائیں بتوفیق اللہ چنانچہ تفصیل اس اجمال کی معاینہ کتاب لاجواب ہذا ایسا تہا ب ملسمیٰ
بالالہام الصحیح فی اثبات حیات المسیح تصنیف عالم علم معقول و منقول حامی دین خدا و رسول سر آمد
متکلمین سلطان المناظرین واقف اسرار خفی و جلی مولانا حضرت ہادی مفتی محمد غلام رسول دہیر
الحنفی القاسمی ادام اللہ ظلہ القوی کی ہے۔ اللہ اللہ کس متانت کی تقریر کیسی زور و شور کی تحریر ایک
دریا ہی موجیں مارتا نمونہ قدرت خدا ہے تائید غیبی نہیں تو کیا ہے۔ ایسی کثرت کا رد ضیق اوقات میں جمع بات
ہے شرح اور بسط کیساتھہ حتی الوسع کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا مخالف ہی کے قول سے منکرین کے رشتہ تار
کو توڑا ہے عبارت کی پاکیزگی پر درود پڑہنے کو جی چاہتا ہے مناظرے میں باوجود سخت کلامی مدعی
اپنی تہذیب متانت سے نہ جانیدے ادب سے کام لیا ہے تحسین بیاتی ہے اسکا نام ہے کہ شیرین زبانی کی میٹھی چھری سے
دشمن کا کام تمام ہے ماشاء اللہ زور قلم کیا ونی ہے یہ ایک بات ہے جس وادی میں قدم رکھا میدان اپنے
ہاتھ ہے لطف تو یہ ہے کہ جو دعویٰ ہے بادلیل باہر مطالب کثیر و عبارت قلیل جو بات ہے لاجواب ہے جو
فقرہ ہے انتخاب بلاغت ایسی کہ ذرا سا نکتہ ایک دفتر فصاحت کا بیان طاقت بیان سے باہر ہے اللہ
کی یہ طرز تحریر بہت مشکل ہے معقولیت کے یہ معنی کہ دشمن اپنے ہی قول سے ساکت۔ حافظہ وہ ہو کہ سارا اہل اسلام
از بر نگاہ اتنا وسیع کہ دشمن کی کتابیں پیش نظر اور ساتھ ہی اور صاحب کی ذات جان نشان کی تعریف کرتا ہے

غرض که تیغ زبان تو قتل عام نمود
که بحر رحمت و لطف حق آمده در جوش
که بنده مظهر آیات حق امام همام
بعلم و حلم و فطانت بفضل و فیض و کمال
برتق و فتق دقائق نگاه او کاشفے
بحق که نسخهٔ علّام و حبر فهّام ست
به بیّنات و براهین بحکم خیر کلام
هنر همیشه که سے برگزیده عرب ست
سبق ربوده بهیچ ازاکابر دهر
تبارک الله که شأن تبیین و شرح فهو
چو سلسبیل مصر زلال اند اهل تقوی را
هزار شکر به یزدان پاک و هادی کل
ز فیضناک نسیمش دل جهان بشگفت
خموش و ختم سخن بر دعا کن ای احمد
بگو که بار الها طفیل این تصنیف
دل مراد طلبیان و دین احمد را

بخاص بود که شان را ربود سیل عرم
بقلع و قمع تو فرمود سینهٔ ملهم
کدام امام که ذات و بیت یدیه فتحم
ندیده دیده بینا ندیده گوش تا دم
بحل و عقد حقائق کرشمه اش هر دم
سمّی ختم رسل مقتدائے کل اکرم
وجیز نسخهٔ حاوی که نون نمود رقم
فهیم دقائق و وقاد ذهن و بحر حکم
ببین فضائل طبع کریم او محکم
یکے قرارت دگر کوثر ست بهر افهم
بلا و تابع فرعون حسرت و دیلم
که آفتاب صداقت نمود محو ظلم
بچشم خصم نماید اگرچه خار عجم
جبین عجز بخاک آر کن بحق سر خم
بسیتیمه ره دین بداریم محکم
نگاه دار زیک چشم و اعور اکرم

ولہ

شد چو الہام صحیح مطبوع طبع خاص و عام
پس زامر رب بسال طبع پرسیدم بگفت

بہر این فکر تاریخش شدم من جبہہ سائی
زندہ ابن مریم ست و قادیانی مردہ ای

تقریظ از عالم باتمیز مولوی محمد عبد العزیز تلمیذ حضور مصنف

سبحان اللہ پاک ہے وہ بے نیاز جسنے اپنے حبیب کے خادم جان نثاروں کے شان میں رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ارشاد فرما کر انکا مرتبہ ظاہر کیا۔ اور مخالفین کے حق میں خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ کے اشارے سے اچھے اور برے کو علیحدہ کر دیا۔ سچا ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جسنے افضل الناس بعد النبی ابو بکر رضی اللہ عنہ ثم عمر رضی اللہ عنہ ثم عثمان رضی اللہ عنہ ثم

دینے اسکے ترجمہ کرنے میں کوشش کی ہے خاص فائدہ عام وعستفیے کا نیک کام سمجھکے نہ کسی طمع
دہ کون یعنی مصنف انوار محمدی مخسر خاندان ماہر علوم عقلیہ و نقلیہ و واقف آیات رموز قرآن حبیب
شفیق الحمیم الزکی شمس الفصحی جناب سیلے القاب مولوی ابو الحسن سید غلام المصطفی حفظہ
بوم اللقی خلف الصدق والصفا برگزیدہ خدا پابند شریعت نبی المصطفی جناب سید محمد عبد
المرحوم القاسمی النقشبندی الامرتسری رکنہ اللہ فی الجنۃ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

اعلان

ہمارے مخالف الرائے! چاہے اس بابرکت کتاب کو اپنے خیالات روح لقدر یا کسی قابل آدمی سے سبقاً پڑھو اور پھر بخوبی سمجھکر تائب ہو جائیں یا صحیح جواب تحریر کریں تو اسکے صلہ میں آپکو ایکہزار روپیہ انعام کے طور پر میں دونگا لیکن شرط یہ ہے کہ وہ سچ مچ جواب ہو۔ نہ یہ کہ ادھر ادھر کی کہانیوں اور طول طویل باتوں سے کاغذات کو سیاہ کرکے اسکا نام **جواب** رکھدیں کیونکہ تا حال جتنی تصانیف آپ لوگوں کے علما کی مطالعہ میں آتی ہیں۔ ان سب کی بنا بیہودہ اور لاطائل طویل تقریروں پر ہے۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا ۔ والسلام علی من اتبع الہدی

المعلن

رسول شاہ عفی عنہ